وأن هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق
بكم عن سبيله (الانعام: ۱۵۳)

اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو
کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی

عقیدہ کے موضوع پر علامہ ابن ابی زید القیروانی کے مقدمہ پر مدینہ یونیورسٹی
کے سابق وائس چانسلر شیخ عبد المحسن بن حمد العباد کی عظیم الشان شرح
بنام قطف الجنی الدانی کا اردو ترجمہ بنام

بنیادی عقائد

ترجمہ و تقدیم

عبد اللہ ناصر الرحمانی

مکتبہ عبد اللہ بن سلام لترجمۃ کتب الاسلام

سلسلۃ احیاء منہج السلف ۹

وأن هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله (الانعام: ۱۵۳)

اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی

عقیدہ کے موضوع پر علامہ ابن ابی زید القیروانی رحمہ اللہ کے مقدمہ پر مدینہ یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر شیخ عبد المحسن بن حمد العباد کی عظیم الشان شرح بنام قطف الجنی الدانی کا اردو ترجمہ بنام

بنیادی عقائد

ترجمہ و تقدیم

عبد اللہ ناصر الرحمانی

مکتبہ عبد اللہ بن سلام لترجمۃ کتب الاسلام

نام کتاب : بنیادی عقائد (مقدمۃ فی العقیدۃ للقیروانی کی شرح کا اردو ترجمہ)

مولف : فضیلۃ الشیخ عبدالمحسن حمد العباد (حفظہ اللہ)

صفحات : ۳۳۶

مترجم : فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی (حفظہ اللہ)

ناشر : مکتبہ عبداللہ بن سلام لترجمۃ کتب الاسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

مقدمہ از مترجم

الحمدلله رب العالمین والصلاة والسلام علی أشرف الأنبياء والمرسلين إمام المتقين وقدوة الكاملين وعلى آله وصحبه وأهل طاعته أجمعين، وبعد:

زیرِ نظر کتاب ہمارے ادارہ "مکتبة عبد الله بن سلام لترجمة كتب الاسلام" کی ایک انتہائی فخریہ پیشکش ہے، اس انتہائی اہم اور نافع کتاب کو پیش کرتے ہوئے ہم اپنے خالق ومالک کے سامنے اظہارِ شکر کیلئے سربسجود ہیں۔ فنحمدالله تعالیٰ ونشكره، فبنعمته وفضله سبحانه وتعالیٰ تتم الصالحات.

یہ کتاب اصول وفروع کا ایک حسین امتزاج ہونے کے ساتھ ساتھ، تمام مسائل کو کتاب وسنت واقوالِ سلف صالحین کی روشنی میں پیش کرنے کا گرانقدر مجموعہ ہے۔

امام عبداللہ ابومحمد بن ابی زید القیر وانی، جن کا چوتھی صدی ہجری کے محدثین وفقہاء میں شمار ہوتا ہے نے "الرسالة" کے نام سے ایک مبسوط کتاب تألیف فرمائی، اس کتاب پر ایک نہایت مختصر مگر جامع مقدمہ تحریر فرمایا، جو اگر چہ چند سطور پر مشتمل ہے، مگر اس پر علوم ومعارف اور معانی ومطالب کا ایک بحرِ زخار موجزن ہے۔

یہ بات بالکل درست اور مبنی بر حقیقت ہے کہ ابن ابی زید نے اصول وفروع کے حوالے سے ان چند سطور کے کوزے میں دریا بند کر دیا ہے۔ اس مختصر مقدمہ کو وقت کے عظیم محدث، سابق وائس چانسلر مدینہ یونیورسٹی، کتبِ کثیرہ ونافعہ کے مؤلف، فضیلۃ الشیخ عبدالمحسن بن حمد العباد حفظہ اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت نفیس اور لطیف شرح کے ساتھ مزین، منور اور معطر فرما دیا۔

شیخ موصوف ومحترم نے ہر مسئلہ پر قرآن وحدیث کے دلائل کا انبار لگا دیا ہے، نیز جا بجا اقوالِ أئمہ سلف کے ذکر سے کتاب کی اہمیت وافادیت کو مزید بڑھا کر اس کے حسن میں چار چاند لگا دیئے۔

شیخ عبد المحسن بن حمد العباد جو عصرِ حاضر میں منہج سلف صالحین اہل الحدیث کے امین ومحافظ تصور کیئے جاتے ہیں، تحریر وتقریر میں بڑے نمایاں اور منفرد مقام کے حامل ہیں۔ زیرِ نظر کتاب ہمارے اس مؤقف کی پوری پوری تائید کرے گی۔ ہمارا یہ متواضع سا ادارہ جو اپنی تأسیس کا ایک سال مکمل کر چکا ہے، اس لحاظ سے انتہائی منفرد ومتمیز ہے کہ اس کے اہداف ومقاصد میں سرِ فہرست موضوع ''اہتمام بالعقیدۃ السلفیۃ'' ہے، ہماری اب تک نشر ہونے والی تمام کتب کا بنیادی موضوع عقیدہ ہی ہے، بالخصوص ''توحید اسماء وصفات'' کے حوالہ سے ہمارے ادارہ کی جہود انتہائی قابلِ قدر اور لائقِ تحسین وستائش ہیں۔ ''وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء''

قارئین کرام! اس قدر اہتمامِ عقیدہ سے ہمارا مقصود، لوگوں کو اس اہم موضوع سے روشناس کرانا ہے، کیونکہ عقیدہ، دینِ اسلام کی اساس ہے، قبولِ اعمال کا انحصار، اصلاحِ عقیدہ پر ہے (دیگر شرائط وقیود کی پابندی کے ساتھ ساتھ) بالخصوص آج کے پرفتن دور میں تو عقیدہ کی معرفت نہایت ہی مؤکد ومھم ہے، رسول اللہ ﷺ نے پرفتن دور میں ان لوگوں کو کامیاب اور فائز المرام قرار دیا ہے جو اس صافی منہج کو سینے سے لگائے بیٹھیں گے جسے اصحابِ رسول اللہ نے پوری زندگی تھامے رکھا ''المتمسک یومئذ بما أنتم علیہ لہ أجر خمسین رجلا'' گویا یہ کام، مٹھی میں آگ کا انگارہ دبانے کے مترادف ہے، لہذا علم وعمل اور بالخصوص عقیدے کی معرفت نہایت ہی اہم اور ضروری امر ہے، ورنہ بمصداق حدیثِ رسول ﷺ: [یصبح الرجل فیھا مؤمنا ویمسی کافرا ویمسی مؤمنا ویصبح کافرا، یبیع دینہ بعرض من الدنیا]

نہایت ہی خطرناک تلوار ہمارے سروں پر لٹک رہی ہے، یعنی پرفتن دور میں انسان صبح کو مؤمن، شام کو کافر، اور شام کو مؤمن اور صبح کو کافر بن جائے گا، دنیا کے معمولی مال، اور گھٹیا عہدوں کی خاطر اپنا دین بیچ ڈالے گا۔

مخرج یہی ہے کہ بندہ علم، عمل، عقیدہ اور خلق میں پہاڑ جیسی صلابت واستقامت پر قائم

ہوجائے ،اور کتاب وسنت اور منہج أصحاب رسول ﷺ وسلفِ صالحین کو سینے سے چمٹا رکھے

"ماأناعليه اليوم وأصحابي"

[تركت فيكم ما إن اعتصمتم به لن تضلوا أبدا كتاب الله وسنة رسوله]

والتوفيق بيدالله تعالىٰ.

کتاب ھذا عقیدہ کے اہم مسائل پر مشتمل ہے،اس کی تیاری میں جن احباب نے حصہ لیا سب کا تہہ دل سے ممنون ہوں نیز اضافۂ علم وعمل کیلئے دعا گو ہوں۔

اللہ تعالی ہماری نیتوں کو اپنی رضاء کیلئے خالص بنادے،اس کتاب کا نفع عام بنادے،میرے والدین اور جملہ اساتذہ کرام کی مغفرت فرمادے۔

اس متواضع سی نیکی کو میرے لئے ذخیرہ آخرت بنادے، إنه سميع قريب مجيب للدعوات ،وصلى الله على نبيه محمد و على آله وصحبه وأهل طاعته أجمعين.

وکتب ذلک/عبداللہ ناصر الرحمانی

مدیر:مكتبة عبدالله بن سلام لترجمة كتب الاسلام

مقدمہ از شارح

الحمدلله رب العالمين ،الرحمن الرحيم، مالک يوم الدين، وأشهد أن لا إلـه إلا الله وحده لاشريک لـه، إلـه الأولين والآخرين،وقيوم السموات والأرضين، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله، سيد المرسلين، وإمام المتقين، وقائد الغر المحجلين، المبعوث رحمة للعالمين، صلى الله وسلم وبارک عليه، وعلى آلـه الطيبين الطاهرين، وعلى من اتبعهم باحسان وسار على نهجهم إلى يوم الدين.

أما بعد:

تمام تعریفیں، اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے، بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے، روزِ جزاء کا مالک ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، تمام اولین وآخرین کا وہی معبود ہے، اور آسمانوں اور زمینوں کے نظام کو وہی سنبھالنے والا ہے۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اسی کے بندے اور رسول ہیں، تمام رسولوں کے سردار ہیں، تمام متقین کے امام ہیں، اس اُمت کے رہبر ورہنما ہیں، جن کے اعضاءِ وضوء قیامت کے دن چمک رہے ہونگے، جو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کی پاکیزہ آل پر، اور صحابۂ کرام جیسی مثالی اور مبارک جماعت پر، اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے، اللہ تعالیٰ نے اصحاب کرام ذریعے اپنے دین کو حفاظت اور ظہور وغلبہ عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر بھی اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے جو اچھے طریقے سے صحابہ کرام کی اتباع کرتے رہیں اور ان کے منہج کی پیروی کرتے رہیں، قیامت کے قائم ہونے تک۔

امابعد:

اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ کی (کئی اعتبار سے) ایک ممتاز اور نرالی شان ہے۔

(۱) یہ نہایت صاف ستھرا اور بالکل واضح عقیدہ ہے۔

(۲) اس میں ابہام یا پیچیدگی کا کوئی شائبہ تک نہیں۔

(۳) یہ مبارک عقیدہ، نصوصِ وحی یعنی قرآن وحدیث سے مستند وماً خوذ ہے۔

(۴) سلف صالحین، اسی عقیدہ پر قائم تھے۔

(۵) یہ عقیدہ، فطرت کے عین مطابق ہے۔

(۶) عقلِ سلیم جو شبہات کے امراض سے پاک ہو، بھی اسی عقیدہ کو قبول کرتی ہے۔

دوسرے تمام عقائد، شخصیات کی آراء اور متکلمین کے اقوال سے ماً خوذ ہونے کی بناء پر، اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ سے یکسر مختلف ہیں۔ان میں بُری طرح سے ابہام، پیچیدگی، خبط اور خلط ہے۔ بھلا یہ فرق کیوں نہ ہو؟ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے، جبریل امین کے واسطے سے، رسولِ اکرم ﷺ پر اترا، اور دیگر تمام عقائد ان مبتدعین کی اختراع ہیں جو زمین سے نکلے اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایک حقیر پانی کے قطرہ سے پیدا کیا۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ نبی ﷺ کی بعثت اور نزولِ وحی کے ساتھ ہی شروع اور ظاہر ہوا، جس پر نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام قائم رہے، نیز وہ سب لوگ قائم ہیں جو منہج اصحاب رسول ﷺ کے پیروکار ہیں۔

دوسرے تمام عقائد کا، زمانۂ نبوت میں کوئی وجود نہیں تھا، صحابۂ کرام میں سے بھی کسی نے انہیں اختیار نہ کیا، بلکہ ان عقائد کے حاملین میں سے کچھ لوگ، دورِ صحابہ میں پیدا ہوئے تھے، مگر اکثر ان کے مبارک دور کے ختم ہونے کے بعد پیدا ہوئے، لہذا یہ سارے عقائد، محدثاتِ امور میں سے ہیں، (جنہیں رسول اللہ ﷺ نے بدعت کہا،) اور ان سے پوری زندگی ڈراتے رہے۔

آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: [وایاکم ومحدثات الامور ؛فان کل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة] یعنی: [تم نئے نئے امور سے بچو؛ کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے، اور ہر

بدعت گمراہی ہے]

(متکلمین کے عقائد اگر حق ہیں تو) یہ بات نہ تو معقول ہے، اور نہ کسی صورت قابلِ قبول کہ حق، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی پاکیزہ جماعت سے مخفی اور اوجھل ہو اور ان لوگوں کو حاصل ہو جائے جو صحابۂ کرام کے مبارک زمانہ کے بعد آئے۔

لہذا ان عقائد میں اگر کوئی بھی خیر کا پہلو ہوتا تو سب سے پہلے یہ صحابۂ کرام کو نصیب ہوتے، لیکن چونکہ یہ عقائد سراسر شر ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کو ان سے محفوظ رکھا اور بعد میں آنے والوں کو مبتلا فرما دیا۔

یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ جو نورِ وحی سے مأخوذ ہے، اور متکلمین کے عقائد جن کا مبنیٰ لوگوں کی آراء وعقول ہیں، کے درمیان وہی فرق ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوقات کے بیچ۔

یہ بالکل وہی بات ہے جو شریعت کے حوالہ سے کی جاتی ہے، یعنی شریعتِ اسلامیہ جو انتہائی رفیع القدر اور منزل من اللہ ہے، اور ان گھٹیا وضعی قوانین ودساتیر کہ جنہیں انسانوں نے بنایا، کے مابین وہی فرق ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان۔

﴿ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴾

ترجمہ: ''کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، یقین رکھنے والے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟'' (المائدۃ:۵۰)

اکثر لوگوں کی عقلوں کو کیا ہو گیا کہ عقیدہ اور شریعت کے تعلق سے اس انتہائی واضح اور روشن حقیقت سے غافل ہیں، وہ انتہائی بہتر چیز کے بدلے، انتہائی ردی اور گھٹیا چیز خریدے بیٹھے ہیں۔

اے اللہ! جو مسلمان راہِ راست سے گمراہ ہو گئے انہیں سلامتی کے راستے پر چلا دے، انہیں ظلمتوں اور تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف پھیر دے، بلاشبہ تو سننے والا اور قبول فرمانے والا ہے۔

علماءِ سنت نے، قدیم وجدید، ہر دور میں ایسی کتب تألیف فرمائی ہیں، جو اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ کی بہترین توضیح شمار ہوتی ہیں، کچھ مختصر، کچھ مطول۔

مختصر کتب میں، امام ابنِ ابی زید القیروانی المالکی رحمہ اللہ کا اپنے رسالہ پر لگایا ہوا ایک مقدمہ ہے، جو سلف صالحین کے منہج کے عین مطابق، مختصر اور مفید ہے، یہ مقدمہ اصول وفروع کا ایک حسین مرقع ہے، جبکہ اصول وفروع کا ایک ہی کتاب میں جمع ہونا، تالیفی دنیا میں ایک نادر چیز ہے، اس لحاظ سے یہ مقدمہ ایک بہترین تحفہ ہے جو اس شخص کو کہ جو عبادات ومعاملات کی فقہ میں مشغول ہے، فقہ اکبر یعنی عقائدِ سلف صالحین سے روشناس کراتا ہے۔

یہ مقدمہ اپنے اختصار اور قلتِ الفاظ کے باوجود عقیدۂ سلف صالحین جو عین مطابقِ فطرت ہے اور کتاب وسنت کے نصوص پر مبنی ہے، کو بڑی وضاحت سے بیان کرتا ہے۔

یہ مختصر رسالہ اس مشہور مقولہ کی عکاسی اور ترجمانی کرتا ہے: ''سلف صالحین کا کلام لفظوں میں کم لیکن برکت میں بہت زیادہ ہوتا ہے، جبکہ متکلمین کا کلام لفظوں میں بہت زیادہ مگر برکت میں بہت تھوڑا ہوتا ہے۔''

مثال کے طور پر اس مقدمہ کا آغاز اللہ تعالیٰ سے چند امور کی نفی جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کیلئے اثباتِ کمال کو متضمن ہے، کے ساتھ ہوتا ہے، چنانچہ ابنِ ابی زید اپنے مقدمہ کے آغاز میں فرماتے ہیں: ''إن اللہ إلٰہ واحد لا إلٰہ غیرہ، ولا شبیہ لہ، ولا نظیر لہ، ولا ولد لہ، ولا والد لہ، ولا صاحبۃ لہ، ولا شریک لہ''

یعنی: ''اللہ تعالیٰ معبودِ حق ہے، اکیلا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شبیہ اور نظیر نہیں ہے، نہ ہی اس کی اولاد ہے نہ والد، نہ اس کی بیوی ہے اور نہ ہی کوئی شریک''

اس عبارت میں اللہ تعالیٰ سے جن امور کی نفی مذکور ہے، وہ سب کے سب کتاب وسنت کے نصوص سے مستمد ومأخوذ ہیں۔

اب ذرا متکلمین کا کلام ملاحظہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کس کس چیز کی نفی کرتے ہیں، آپ کو دکھائی دے گا کہ ان کا کلام تکلف پر مبنی اور ابہام وغموض کے ساتھ متصف ہے، چنانچہ "عقائدِ نسفیہ" کا مؤلف، اللہ تعالیٰ سے بعض امور کی نفی کرتے ہوئے کہتا ہے: "لیس بعرض، ولا جسم، ولا جوھر، ولا مصور، ولا محدود، ولا معدود، ولا متبعض، ولا متجز، ولا متر کب، ولا متناہ"

اللہ تعالیٰ سے ان منفی امور کی کتاب وسنت میں کوئی نص وارد نہیں، اور یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں جس صفت کی وحی سے دلیل موجود نہ ہو، اس میں سکوت اختیار کیا جائے، اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر کمال کے ساتھ متصف ہے اور ہر نقص وعیب سے منزہ ہے۔

پھر ان سلبی اور منفی صفات کو عوام الناس بالکل نہیں سمجھ پاتے، نہ ہی یہ باتیں ان کی سادہ فطرت سے مطابقت رکھتی ہیں، یہ تو متکلمین کا تکلف ہے، جس میں ابہام وغموض کے ساتھ ساتھ حق وباطل کا اختلاط بھی ہے، ہم بطورِ اشارہ ایک ہی نکتہ سے اپنی اس بات کی وضاحت کرتے ہیں:

مذکورہ عبارت میں اللہ تعالیٰ کے جسم کی نفی ہے، جس کے معنی میں دو احتمال ہیں:

چنانچہ اگر جسم سے ایسی ذات مراد ہو جو مخلوقات کے مشابہ ہو تو یہ احتمال لفظاً ومعنیً باطل اور مردود ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی چیز نہیں ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (الشوریٰ:11) اور اگر جسم سے وہ ذات مراد ہے جو قائم بنفسہا ہے، جو تمام مخلوقات سے مباین یعنی جدا ہے اور جو تمام صفاتِ کمال کے ساتھ متصف ہے، تو یہ معنی حق ہے جس کی اللہ تعالیٰ سے نفی کرنا جائز نہیں ہے، لیکن "جسم" کے لفظ کی اللہ تعالیٰ سے نفی کرنا ضروری ہے؛ کیونکہ یہ لفظ، معنی حق اور معنی باطل دونوں پر مشتمل ہے۔ (لہٰذا ایسا لفظ جس میں معنی حق کے ساتھ ساتھ معنی باطل کے پائے جانے کا احتمال ہو، اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں ہوسکتا، البتہ اس لفظ میں پایا جانے والا معنی حق، اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہوگا اور معنی باطل منفی ومردود ہوگا)

آپ عنقریب امام مقریزی کا کلام ملاحظہ فرمائیں گے، جس میں وہ صحابہ کرام کے بارہ میں فرماتے ہیں:

"اسی طرح صحابۂ کرام نے ان تمام الفاظ وصفات کو جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ کریمہ کیلئے ثابت کیئے، ثابت وبرقرار رکھے۔ مثلاً: الوجہ (چہرہ) اور الید (ہاتھ) وغیرہ

اور ان صفات کا اثبات کرتے ہوئے انہوں نے خالق کی مخلوق سے مشابہت ومماثلت کی مکمل نفی کی۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کیلئے صفاتِ ثبوتیہ کا اس طرح اثبات کیا کہ وہ اثبات ہر طرح کی تشبیہ سے پاک تھا، اور صفاتِ نقص کی اس طرح نفی وتنزیہ کی وہ تنزیہ تعطیل سے پاک تھی۔

صحابۂ کرام میں سے کسی ایک شخص نے بھی صفاتِ باری تعالیٰ میں سے کسی ایک صفت کی تاویل کرنے کا تعرض وتکلف نہیں کیا، بلکہ وہ تمام اس عقیدہ پر متفق ومجتمع تھے کہ ان صفات کو جس طرح وارد ہوئی ہیں، اسی طرح ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی نبوت کے اثبات کیلئے ان کا مستدل کتاب اللہ کے سوا اور کچھ نہ تھا...... وہ علمِ کلام کی الجھنوں اور فلسفہ کی موشگافیوں سے قطعی ناواقف تھے۔"

اسی طرح آپ آئندہ صفحات میں ابو مظفر السمعانی کا کلام بھی ملاحظہ فرمائیں گے، وہ منہج متکلمین کا ابطال وافساد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تبلیغِ دین کے مشن پر مأمور کیا ہے، اور سب سے مؤکد ومحکم چیز جسے پہنچادینے کا حکم ہے وہ عقیدۂ توحید ہے، بلکہ توحید تو اصلِ دین اور اساسِ دین ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے امورِ دین کے تمام اصول، قواعد اور شرائع ایک نکتہ چھپائے بغیر بیان فرمادیئے، پورے دین میں یہ آپ کو کہیں نہیں ملے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے متکلمین کے نظریات یعنی جوہر وعرض سے استدلال کی دعوت دی ہو، بلکہ آپ ﷺ سے اور آپ کے صحابہ سے اس بارہ میں ایک حرف بھی ثابت نہیں...... جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے گا کہ متکلمین ایک ایسی راہ پر چل

نکلے ہیں کہ جو نبی ﷺ اور صحابۂ کرام کی راہ سے یکسر مخالف ہے، اور اس مخالف راہ پر چلنے کیلئے انہوں نے جن اصول وقواعد کا سہارا لیا ہے وہ بالکل نئے اور انکے اپنے اختراع کردہ ہیں۔ اور سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اپنی اس باطل راہ پر چل نکلنے کے بعد انہوں نے سلفِ کو اپنی قدح وطعن کا نشانہ بنالیا، انہیں قلتِ علم ومعرفت کا الزام دیا اور ان کے طریق کو مشتبہ قرار دے دیا۔

ہم تمام لوگوں کو متکلمین کے کلام ومقالات سے بچنے اور دور رہنے کی نصیحت کرتے ہیں ان کی تمام گفتگو کا مبنیٰ ریت کی دیوار کے سوا کچھ بھی نہیں، جبکہ انکے مقالات آپس میں ہی متضادات ومتناقض ہیں۔"

ابومظفر السمعانی کا یہ کلام حافظ ابن حجر عسقلانی نے صحیح بخاری کی شرح، فتح الباری میں "باب قول اللہ تعالیٰ: یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ" کے تحت نقل فرمایا ہے، اس کے بعد حسن بصری کا یہ قول بھی ذکر فرمایا: "لو کان مایقول الجعد حقا لبلغه النبی ﷺ" یعنی: "عقائد میں جو باتیں جعد (بن درھم) کرتا ہے، اگر وہ حق ہوتیں تو نبی ﷺ یقیناً بیان فرماتے" (فتح الباری: ۱۳/۵۰۴)

واضح ہو کہ فرقۂ جہمیہ اگرچہ جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہے، لیکن اس کا اصل بانی اور مؤسس جعد بن درھم ہی ہے؛ کیونکہ سب سے پہلے اس باطل مذہب کا نشر واظہار اسی نے کیا۔

اور میں حسن بصری رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کی بنیاد پر یہ کہتا ہوں: آج اشاعرہ اور دیگر متکلمین صفاتِ باری تعالیٰ کے بارہ میں جو کلام کرتے ہیں اگر وہ حق ہے تو نبی ﷺ بھی یقیناً وہ باتیں اپنی امت کا بتاتے۔

میں نے ابن ابی زید کے اس مقدمہ کی ایسی شرح لکھنے کا فیصلہ کرلیا جو اس کی چمک دمک میں مزید اضافہ کردے اور اس کے مضامین ومشمولات کی مزید تفصیل کردے۔ شرح سے قبل میں نے بطورِ تمہید، عقیدۂ سلف کے حوالے سے دس فوائد کا ذکر کیا ہے۔

اس مقدمہ کو شیخ احمد بن مشرف الاحسائی المالکی المتوفی ۱۲۸۵ھ نے بڑے عمدہ اسلوب سے نظم کر دیا تھا، میں نے شرح سے قبل، مقدمہ کی مکمل عبارت، مذکورہ نظم کے ساتھ شامل اشاعت کر دی ہے۔ میں نے اس شرح کا نام ''قطف الجنی الدانی شرح مقدمة رسالة ابن ابی زید القیروانی'' رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ میری اس شرح کو، اصل رسالہ کی طرح نافع اور فائدہ مند بنا دے، تمام مسلمانوں کو دین میں تفقہ کی توفیق عطا فرما دے، نیز عقیدہ وعمل میں انہیں سلف صالحین کے منہج پر قائم ودائم رکھے۔ مجھے ہر قسم کی لغزش سے سلامتی عطا فرما دے، گفتگو میں صدق اور عمل میں اخلاص جیسی نعمتوں سے مالا مال فرما دے، بے شک وہ سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

وصلى الله وسلم وبارك على عبده ورسوله نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين .

مؤلف ابن ابی زید القیر وانی کے مختصر حالاتِ زندگی

آپ کا نام عبداللہ، اور کنیت ابو محمد ہے، ابو زید ان کے والد کی کنیت ہے، جن کا اصل نام عبدالرحمٰن تھا،، قیروان ان کا مولد مسکن تھا، اپنے وقت میں، مالکی مذہب کے امام اور قدوۃ شمار ہوتے تھے، انہوں نے امام مالک کی فقہ کو نہ صرف جمع کیا بلکہ بڑے عمدہ پیرائے میں اس کی تشریح بھی کی، ان کا علم انتہائی وسیع اور حفظ وروایت میں کثرت مثالی تھی، ان کی تصنیفات اس پر شاہدِ عدل ہیں، تحریر وتقریر میں فصاحت نمایاں تھی، جب گفتگو فرماتے تو علم ومعرفت کے خزانے لٹادیتے، اہلِ بدعت کا رد کرنا بخوبی جانتے تھے۔ عمدہ قسم کے اشعار بھی کہا کرتے تھے۔

ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ استقامت، ورع، عفت اور تقویٰ کے بڑے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، گویا دین ودنیا کی سعادت وریاست کو سمیٹ رکھا تھا۔

علم وعرفان کے پیاسے، مختلف شہروں اور بستیوں سے دور دراز کا سفر کرکے آپ تک پہنچتے، آپ کے شاگردوں کی بڑی لمبی فہرست ہے، جو سب کے سب آپ سے خوب محبت رکھتے تھے، آپ کے دور کے اکابر علماء آپ کی قدر ومنزلت پہچانتے تھے، آپ "مالک الصغیر" یعنی "چھوٹے مالک" کے لقب سے معروف تھے۔

امام قابسی آپ کے بارہ میں فرماتے ہیں:

وہ امام تھے، اور دین اور روایتِ حدیث میں انتہائی ثقہ تھے۔ علم، ورع، فضل اور عقلِ راسخ، یہ تمام خوبیاں آپ کی ذات میں مجتمع تھیں، آپ کی شخصیت ان تمام امور میں شہرت کی بناء پر کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

آپ رجوع إلی الحق اور انقیاد للحق کیلئے ہمیشہ مستعد اور تیار رہتے، اپنے شہر کے فقہاء ومشائخ سے تفقہ اور سماعِ حدیث سے فیضیاب ہوتے، طلبِ علم میں زیادہ تر انحصار واعتماد ابو بکر بن اللباد اور ابو الفضل القیسی پر فرمایا۔

جبکہ ایک خلقِ کثیر نے آپ سے فقہ وحدیث میں استفادہ کیا۔آپ کا سنِ وفات ۳۸۶ھ ہے۔

آپ کی مشہور مؤلفات میں ''کتاب النوادر '' اور ''الزیادات علی المدونة'' ہیں، یہ کتاب ایک سو اجزاء سے زائد ہے، اس کے علاوہ ''مختصر المدونة'' بھی آپ کی مشہور کتاب ہے، آخر الذکر دونوں کتابیں فقہ مالکی میں معتمد بہ شمار ہوتی ہیں۔آپ کی کتب کی مکمل فہرست ''الدیباج المذهب لابن فرحون المالکی ''(ص:۱۳۶تا۱۳۸) میں ملاحظہ فرمایئے، یہ مختصر حالات بھی اسی کتاب سے لئے گئے ہیں۔

امام ذھبی نے ''سیر أعلام النبلاء ''(۱۰/۱۷) میں آپ کے ترجمہ کے آغاز میں آپ کے متعلق فرمایا ہے: ''الامام العلامة ،القدوة الفقیه عالم أهل العرب''

جبکہ آپ کے ترجمہ کے آخر میں فرمایا ہے ''اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے، آپ عقیدہ میں سلف صالحین کے منہج پر قائم تھے، علمِ کلام کو کچھ نہ جانتے، نہ ہی تأویل کی باطل روش اپناتے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق وہدایت کا سوال کرتے ہیں۔

چند اہم فوائد کا ذکر

فوائد بین یدی الشرح
شرح سے قبل چند اہم فوائد کا ذکر

پہلا فائدہ:

عقیدہ کے باب میں اہل السنۃ والجماعۃ کا منہج یہ ہے کہ سلفِ صالحین کے فہم کے مطابق کتاب وسنت کی اتباع کی جائے، واضح ہو کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی دلیل پر مبنی ہے، جبکہ اس دلیل کا فہم اصحابِ رسول اللہ ﷺ کے فہم کے مطابق ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اتَّبِعُوا مَآ أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴾ (الاعراف:۳)

ترجمہ: ''تم لوگ اس کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ (الانعام:۱۵۳)

ترجمہ: ''اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پہ چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔''

اور فرمایا: ﴿ فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾ (البقرۃ:۳۸)

ترجمہ: ''تو اس کی تابعداری کرنے والوں پر کوئی خوف وغم نہیں''

اورفرمایا: ﴿ فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی ﴾ (طہ:۱۲۳)

ترجمہ: ’’جو میری ہدایت کی پیروی کرے نہ تو وہ بہکے گا نہ تکلیف میں پڑے گا‘‘

اورفرمایا: ﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾

(الاحزاب:۳۶)

ترجمہ: (اور (دیکھو) کسی مومن مرد وعورت کو اللہ اور اسکے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، یاد (رکھو) اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہی میں پڑے گا)

نیز فرمایا: ﴿ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ (الحشر:۷)

ترجمہ: ’’تمہیں جو کچھ رسول دے، لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ‘‘

نیز فرمایا: ﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ (النور:۶۳)

ترجمہ: ’’جو لوگ حکمِ رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب (نہ) پہنچے‘‘

حدیثِ عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فانه من يعش منكم بعد فسير ى اختلافا كثيرا فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء المهد يين الراشدين تمسكوا بها، و عضوا عليها با لنواجذ ،وايا كم ومحد ثا ت الامور ، فان كل محد ثة بد عة ، و كل بد عة ضلالة]

ترجمہ: [میرے بعد زندہ رہنے والا شخص بہت اختلافات دیکھے گا، تو اس وقت تم لوگ میری سنت اور خلفاءِ راشدین کی سنت کے ساتھ چمٹ جانا، اسے مضبوطی سے تھام لینا اور داڑھوں میں

دبا لینا، اور نئے نئے امور سے بچنا، کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے](اسے ابوداؤد (۴۶۰۷) اور ترمذی (۲۶۷۶) نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے)

صحیح بخاری (۷۲۸۰) میں ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[کل أمتي يدخلون الجنة الا من أبى، قالوا: يا رسول الله! ومن يأبى؟ قال: من أطاعني دخل الجنة، ومن عصاني فقد أبى]

ترجمہ: [میری پوری امت جنت میں داخل ہوگی علاوہ اس شخص کے جس نے جنت میں داخل ہونے سے خود انکار کر دیا ہو، صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ جنت میں داخل ہونے سے کون انکار کر سکتا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کر دیا]

صحیح مسلم (۸۶۷) میں جابر رضی اللہ عنھما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ اپنے خطبہ میں فرمایا کرتے تھے: [أما بعد، فان خير الحديث كتاب الله، وخير الهدى هدى محمد، وشر الأمور محدثاتها، وكل بدعة ضلالة]

ترجمہ: [بے شک سب سے بہترین حدیث کتاب اللہ ہے، اور سب سے بہترین ہدایت اور طریقہ محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے، اور سب سے بدترین امر وہ ہے جو نیا ہو، اور ہر بدعت گمراہی ہے]

صحیح بخاری (۱۵۹۷) اور صحیح مسلم (۱۲۷۰) میں عابس بن ربیعہ سے مروی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حجر اسود کے پاس آئے اسے بوسہ دیا اور فرمایا: ''میں جانتا ہوں کہ تم ایک پتھر ہو کسی نقصان یا نفع کا اختیار نہیں رکھتے، اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔''

صحیح بخاری (۲۶۹۷) اور صحیح مسلم (۱۷۱۸) میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے مروی

ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد]

ترجمہ: [جو بھی شخص ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز شامل کرے گا جو دین میں نہ ہوتو وہ مردود ہے]

صحیح مسلم میں یہ لفظ بھی منقول ہیں: [من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد]

ترجمہ: [جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا أمر (موافقت) نہ ہوتو وہ مردود ہے]

صحیح مسلم کی اس روایت میں زیادہ عموم ہے، کیونکہ پہلی روایت محدِث یعنی بدعت ایجاد کرنے والے کے ساتھ مخصوص ہے، جبکہ دوسری حدیث عام ہے، اس کا اطلاق اس شخص پر بھی ہورہا ہے جوخودکوئی نیا عمل ایجاد کرے اور اس شخص پر بھی جو نیا عمل ایجاد کرنے والے کی تابعداری کرے۔

مسند احمد (۱۶۹۳۷) اور سنن ابی داؤد (۴۵۹۷) میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (اور یہ الفاظ مسند احمد کے ہیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[إن أهل الكتابين افترقوا في دينهم على ثنتين وسبعين ملة، وان هذه الأمة ستفترق على ثلاث وسبعين ملة يعني الأهواء، كلها في النار الا واحدة، وهي الجماعة]

ترجمہ: [یہود ونصاریٰ اپنے دین کے اندر بہتر فرقوں میں بٹ گئے، اور یہ امت تہتر فرقوں میں بٹے گی ("الأهواء" یعنی خواہشِ نفس کا شکار ہوگی) سب فرقے جہنم میں جائیں گے، ایک کے سوا، اور وہ "الجماعة" ہے] (اس حدیث کی تخریج اور شواہد الأرنؤط کے مسند احمد کے حاشیہ میں اس حدیث کے تحت انکی تعلیق پر ملاحظہ کیجئے۔)

صحیح بخاری (۵۰۶۳) اور صحیح مسلم (۱۴۰۱) میں جناب انس رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان منقول ہے:

[فمن رغب عن سنتي فليس مني]

ترجمہ:[جس نے میری سنت سے بے رغبتی کی وہ مجھ میں سے نہیں]

واضح ہو کہ اُھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ کتاب وسنت کی دلیل پر مبنی ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ معتقدات کا تعلق علمِ غیب سے ہے، اور علمِ غیب کی معرفت وحی یعنی قرآن وحدیث کے بغیر ممکن نہیں، اور کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ میں جو کچھ وارد اور ثابت ہے، عقلِ سلیم اس کی پوری طرح موافقت کرتی ہے، اور کسی طرح کی کوئی مخالفت نہیں کرتی، اس موضوع پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی بڑی جامع کتاب جس کا نام "درء تعارض العقل والنقل" کا مطالعہ کیجئے۔

کتاب وسنت کے نصوص کو سمجھنے کیلئے معتمد علیہ، صحابۂ کرام ہیں، نیز ان کی طرف سے ملنے والا فہم صائب، فکر سدید اور علم نافع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں ان تک اللہ تعالیٰ کا جو خطاب پہنچا ان کے معانی ومطالب وہ خوب سمجھ چکے تھے، کیونکہ قرآن حدیث انہی کی زبان میں اترے تھے، اور اس کے ساتھ ساتھ ان صفات کی کیفیت کا علم بھی اللہ کے سپرد کرنا ضروری تھا، کیونکہ صفات کی کیفیات کا تعلق بھی علمِ غیب سے ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

امام مالک رحمہ کا ایک قول صفات کی کیفیات کے تعلق سے اس منہج صحیحہ کی خوب عکاسی کرتا ہے، چنانچہ ایک مجلس میں ان سے اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کی کیفیت کی بابت پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے، لیکن مستوی ہونے کی کیفیت مجہول ہے، استواء پر ایمان لانا واجب ہے، اور کیفیت کا سوال بدعت ہے"

شیخ ابو العباس احمد بن علی المقریزی (المتوفی ۸۴۵ھ) نے اللہ تعالیٰ کی صفات کے حوالے سے صحابۂ کرام کے منہج کی وضاحت فرمائی ہے، چنانچہ اپنی کتاب "المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار" (۳۵۶/۲) میں فرماتے ہیں: (عقائد اہلِ اسلام کی حالت کا ذکر، ملتِ اسلام کی ابتداء سے لیکر مذہب اشاعرہ کے پھیلنے تک)

”اللہ تعالیٰ نے جب اہلِ عرب میں سے اپنے نبی ﷺ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا بھیجا، تو انہوں نے رب سبحانہ وتعالیٰ کی صفات، جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں کہ جسے روح الامین آپ کے قلب پر لیکر نازل ہوا تھا، بیان فرمائی تھیں لوگوں کو بتلائیں، نیز وہ صفات بھی لوگوں کو بتلائیں جو بذریعہ (وحی خفی) اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی تھیں۔ تمام اہلِ عرب خواہ وہ شہری ہوں یا دیہاتی، نے ان صفات کو سنا لیکن کسی صفت کے معنی کا نبی ﷺ سے سوال نہیں کیا، جیسا کہ ان کا دیگر مسائل مثلاً: نماز، زکوٰۃ اور حج وغیرہ میں جو اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی ہیں، کی بابت نبی ﷺ سے سوال کرنا وارد ومنقول ہے، اور جیسا کہ انہوں نے احوالِ قیامت اور جنت وجہنم کے بارہ میں سوالات کیئے...... چنانچہ اگر کسی صحابی نے نبی ﷺ سے صفاتِ الٰہیہ کے معنی کے متعلق سوال کیئے ہوتے تو وہ یقیناً منقول ہوتے اور نبی ﷺ کے جوابات بھی ثابت ہوتے، جیسا کہ احکامِ حلال وحرام، ترغیب وترہیب، احوالِ قیامت اور فتن وملاحم وغیرہ کے سلسلہ میں ان کے سوالات واستفسارات اور نبی ﷺ کے جوابات کے تعلق سے بہت سی احادیث وارد ہیں، جو کتب حدیث: معاجم، مسانید، اور جوامع کے اندر موجود ومحفوظ ہیں۔

احادیثِ رسول پر مشتمل دفاتر، اور سلفِ صالحین سے منقول آثار پر گہری نگاہ رکھنے والا اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ کسی صحیح یا ضعیف سند سے، کسی ایک صحابی سے یہ بات ثابت نہیں کہ اس نے نبی ﷺ سے، رب تعالیٰ کی ذات کے بارہ میں قرآن وحدیث میں وارد صفات میں سے کسی صفت کے معنی کا سوال کیا ہو، حالانکہ صحابۂ کرام کے طبقات بھی متنوع تھے اور تعداد بھی کثیر تھی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے ان صفات کا ظاہری معنی سمجھا اور ان پر کلام سے گریز کیا، اور سکوت اختیار کیا۔ بلکہ صحابۂ کرام نے تو صفاتِ باری تعالیٰ میں صفاتِ ذات اور صفاتِ فعل کی تقسیم وتفریق بھی نہیں کی، انہوں نے تو تمام صفات کو صفاتِ ازلیہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت رکھا۔ مثلاً: صفتِ علم، قدرت، حیاۃ، ارادہ، سمع، بصر، کلام، الجلال، الاکرام،

الجود (سخاوت)، انعام ،العزة اور العظمة وغیرہ ان تمام صفات کے بارہ میں ان کا ایک ہی سیاق کلام تھا۔

اسی طرح صحابۂ کرام نے ان تمام الفاظ وصفات کو جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ کریمہ کیلئے ثابت کیئے، ثابت وبرقرار رکھے۔ مثلاً: الوجہ (چہرہ) اور الید (ہاتھ) وغیرہ

اوران صفات کا اثبات کرتے ہوئے انہوں نے خالق کی مخلوق سے مشابہت ومماثلت کی مکمل نفی کی۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کیلئے صفاتِ ثبوتیہ کا اس طرح اثبات کیا کہ وہ اثبات ہر طرح کی تشبیہ سے پاک تھا، اور صفاتِ نقص کی اس طرح نفی وتنزیہ کی وہ تنزیہ تعطیل سے پاک تھی۔

صحابۂ کرام میں سے کسی ایک شخص نے بھی صفاتِ باری تعالیٰ میں سے کسی ایک صفت کی تاویل کرنے کا تعرض وتکلف نہیں کیا، بلکہ وہ تمام اس عقیدہ پر متفق ومجتمع تھے کہ ان صفات کو جس طرح وارد ہوئی ہیں، اسی طرح ان کے ظاہر پر معمول کیا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی نبوت کے اثبات کیلئے ان کا مستدل کتاب اللہ کے سوی اور کچھ نہ تھا...... وہ علمِ کلام کی الجھنوں اور فلسفہ کی موشگافیوں سے قطعی ناواقف تھے۔

صحابۂ کرام کا دور اس پاکیزہ منہج پر گزرا حتی کہ انکے آخری دور میں فرقۂ قدریہ ظہور میں آیا، جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی کوئی تقدیر نہیں بنائی، بلکہ سارا معاملہ "اُنُف" (نیا) ہے۔"

مقریزی نے جو کچھ بتایا واقعۃً مختلف فرقوں کے ظہور سے قبل صحابۂ کرام کا یہی منہج صافی تھا اور حدیث عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ جو قریب ہی گزری ہے میں رسول اللہ ﷺ نے اسی اختلاف کے ظاہر ہونے کی خبر دی اور اس حوالے سے رہنمائی بھی فرمادی۔ حدیث کا ترجمہ دوبارہ ملاحظہ ہو:

[میرے بعد زندہ رہنے والا شخص بہت اختلافات دیکھے گا، تو اس وقت تم لوگ میری سنت

اور خلفاءِ راشدین کی سنت کے ساتھ چمٹ جانا، اسے مضبوطی سے تھام لینا اور داڑھوں میں دبا لینا، اور نئے نئے امور سے بچنا، کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے]

صحابۂ کرام کے دور کے بعد، یا ان کے آخری دور میں عقیدہ کے تعلق سے جو مختلف گروہ اور فرقے ظاہر ہوئے مثلاً: قدریہ، مرجئہ یا اشاعرہ، ان میں سے کسی کو حق اور صواب کہنا ہرگز معقول نہ ہوگا، بلکہ یقینی اور قطعی طور پر حق تو صرف وہ ہے جس پر اصحابِ رسول قائم تھے اور یہ بات کہنے میں ہمیں ادنیٰ سا بھی شک یا تأمل نہیں ہے، ان مذاہب میں اگر کچھ بھی حق ہوتا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسے پہلے ہی اختیار کر چکے ہوتے۔ یہ بات عقل میں سما ہی نہیں سکتی کہ صحابۂ کرام (جن کا ایمان امت کیلئے مثالی قرار دیا گیا ہے) سے حق چھپا لیا جائے اور بعد کے ادوار میں پیدا ہونے والے لوگوں کیلئے وہ خزانہ کھول دیا جائے۔

حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ (۹۷/۱) میں مشہور تابعی ابراہیم النخعی کا قول نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: "تمہارے لیئے (حق کا) ایسا کوئی ذخیرہ یا خزانہ نہیں ہے جو اس عظیم قوم (صحابۂ کرام) سے تمہاری کسی فضیلت کی بنا پر مخفی رکھا گیا ہو"

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں (باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿ يَـا أَيُّهَـا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ کی شرح کرتے ہوئے ابوالمظفر السمعانی کا بڑا عمدہ اور نفیس کلام نقل کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں (۵۰۷/۱۳)

"المظفر السمعانی نے اس باب کی آیات واحادیث سے مذہب متکلمین کے فاسد ہونے پر استدلال کیا ہے، چنانچہ متکلمین اشیاء کو جسم، جوہر اور عرض کی طرف تقسیم کرتے ہیں، ان کے نزدیک جسم سے مراد ہر وہ چیز جو مختلف اجزاء سے مل کر بنے، اور جوہر وہ چیز ہے جو عرض کو اٹھاتا ہے۔ اور عرض وہ چیز ہے جو اپنی ذات پر قائم نہیں ہو سکتی (بلکہ قائم ہونے کیلئے جوہر کی محتاج ہوتی ہے)۔ اسکے بعد انہوں نے روح کو عرض قرار دیا ہے، اور نتیجۃً ان تمام احادیث کو رد کر دیا ہے جن

میں روح کے جسم سے قبل پیدا ہونے کا ذکر ہے، نیز ان احادیث کو بھی جن میں عقل کا مخلوقات سے قبل پیدا ہونا مذکور ہے۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے سارا اعتماد اپنے ظن وتخمین پر اور اپنے افکار ونظریات کے نتائج پر کیا...... اب وہ نصوصِ شرعی اپنے خود ساختہ نظریات پر پیش کرتے ہیں، جو نص شرعی ان نظریات کے موافق ہو اسے قبول کر لیتے ہیں اور جو مخالف ہو اسے رد کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تبلیغ دین کے مشن پر مامور کیا ہے، اور سب سے مؤکد ومحکم چیز جسے پہنچا دینے کا حکم ہے وہ عقیدۂ توحید ہے، بلکہ توحید تو اصلِ دین اور اساسِ دین ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے امورِ دین کے تمام اصول، قواعد اور شرائع ایک نکتہ چھپائے بغیر بیان فرما دیئے، پورے دین میں یہ آپ کو کہیں نہیں ملے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے متکلمین کے نظریات یعنی جوہر وعرض سے استدلال کی دعوت دی ہو، بلکہ آپ ﷺ سے اور آپ کے صحابہ سے اس بارہ میں ایک حرف بھی ثابت نہیں...... جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے گا کہ متکلمین ایک ایسی راہ پر چل نکلے ہیں کہ جو نبی ﷺ اور صحابۂ کرام کی راہ سے یکسر مخالف ہے، اور اس مخالف راہ پر چلنے کیلئے انہوں نے جن اصول وقواعد کا سہارا لیا ہے وہ بالکل نئے اور انکے اپنے اختراع کردہ ہیں۔ اور سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اپنی اس باطل راہ پر چل نکلنے کے بعد انہوں نے سلفِ کو اپنی قدح وطعن کا نشانہ بنا لیا، انہیں قلتِ علم ومعرفت کا الزام دیا اور ان کے طریق کو مشتبہ قرار دے دیا۔

ہم تمام لوگوں کو متکلمین کے کلام ومقالات سے بچنے اور دور رہنے کی نصیحت کرتے ہیں ان کی تمام گفتگو کا مبنیٰ ریت کی دیوار کے سوا کچھ بھی نہیں، جبکہ انکے مقالات آپس میں ہی متضادات ومتناقض ہیں، ان کے کسی گروہ کا کوئی کلام آپ سنیں تو معاً کوئی دوسرا گروہ اس کی مخالفت کرتا ہوا دکھائی دے گا، تو ان کے سارے مذہب کی حقیقت یہی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مقابل، معارض اور مخاصم ہیں۔

ان کے مذہب کے قبیح اور فاسد ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ اگر ہم ان کی راہ پر چلتے ہوئے

عامۃ الناس کو ان کا مذہب اختیار کرنے کی دعوت دیں گے، تو شاید ان سب کا کافر ہونا لازم آجائے، کیونکہ عامۃ الناس تو سیدھی سادھی اتباع کو پہنچاتے ہیں، اور متکلمین کا راستہ اور اسلوب اتنا گنجلک ہے کہ عامۃ الناس اسے سمجھ ہی نہیں سکتے، صاحب نظر ہونا تو بہت دور کی بات ہے، عامۃ الناس کی اختیار توحید کی حد اور غایت اسی قدر ہے کہ انہوں نے عقائدِ دین میں ائمۂ سلف کو جس راہ پر چلتے ہوئے پایا اس کو سینے سے چمٹالیا اور دانتوں تلے دبالیا، بڑی سادہ دلی کے ساتھ عبادات واذکار کی مسلسل آدائیگی میں مصروف ہیں اور ان کا منہج شکوک وشبہات سے قطعی پاک ہے، وہ اپنے معتقدات سے دستبردار ہونے کیلئے قطعاً تیار نہیں خواہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے جائیں۔ انہیں یقین کی پختگی اور عقیدہ کی سلامتی مبارک ہو، یہ لوگ سوادِ اعظم اور جمہور امت ہیں، اگر انہیں کافر قرار دیا جائے تو پھر اسلام کی بساط کے سمیٹ دیئے جانے اور اس کی بنیادوں کو ڈھا دینے کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں بچے گا۔" واللہ اعلم

واضح ہو کہ ابو المظفر کے کلام میں خلقِ عقل کا جو ذکر ہے وہ محلِ نظر ہے، حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے" المنار المنیف "(۵۰) میں خلقِ عقل والی تمام روایات کو موضوع اور مکذوب قرار دیا ہے۔

ابو الفتح الازدی فرماتے ہیں کہ خلقِ عقل کے بارہ میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ ابو جعفر العقیلی اور ابو حاتم ابن حبان نے بھی یہی فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں علماءِ سلف کے ایک بڑی جماعت کے اقوال جمع کیئے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا بلا تشبیہ، بلا تحریف اور بلا تعطیل اثبات کیا جائے، پھر اس بات کو ایک عمدہ اور نفیس کلام سے ختم کیا: فرماتے ہیں: (ج ۱۳ / ۴۰۷، ۴۰۸)

" بیہقی نے ابو داؤد الطیالسی کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ سفیان ثوری، شعبہ، حماد بن زید، حماد بن سلمۃ، شریک اور ابو عوانۃ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارہ میں تحدید کے قائل تھے نہ تشبیہ

کے، وہ صفاتِ باری تعالیٰ پر مشتمل احادیث روایت کرتے لیکن صفات کی کیفیت کے تعلق سے کبھی ایک حرف بھی نہ کہا۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں ہمارا مسلک بھی یہی ہے، اور امام بیہقی فرماتے ہیں: ہمارے اکابرین اسی منہج پر قائم و مستمر رہے "

امام لالکائی نے اپنی سند کے ساتھ محمد بن الحسن الشیبانی کا یہ قول نقل کیا ہے:

"مشرق سے لیکر مغرب تک کے تمام فقہاء قرآن پاک اور احادیثِ صحیحہ میں وارد اللہ تعالیٰ کی تمام صفات پر بلا تشبیہ اور بلا تفسیر ایمان لانے پر متفق ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی جہم بن صفوان کے قول سے تفسیر کرنے کی کوشش کرے وہ نبی ﷺ اور اصحابِ کرام کے منہج سے خارج ہوگیا اور جماعتِ حقہ سے علیحدگی اختیار کرلی، کیونکہ وہ شخص رب سبحانہ وتعالیٰ کو معدوم ہونے کے ساتھ متصف قرار دے رہا ہے۔"

ولید بن مسلم فرماتے ہیں: "میں نے اوزاعی، مالک، سفیان ثوری اور لیث بن سعد سے ان احادیث کی بابت پوچھا جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات مذکور ہیں، تو ان سب نے جواب دیا: ان احادیث میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات جس طرح وارد ہوئی ہیں اسی طرح بلا کیفیت قبول کرلو۔"

ابن ابی حاتم نے "مناقب الشافعي" میں یونس بن عبدالاعلیٰ سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے امام شافعی کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "اللہ تعالیٰ کے کچھ اسماء وصفات ہیں کسی کے پاس ان کے رد کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور جس شخص نے ثبوتِ حجت کے بعد کسی صفت کا انکار کیا وہ کافر ہوگیا، البتہ اقامتِ حجت سے قبل وہ جہل کی بناء پر معذور قرار دیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم عقل، رؤیت یا تفکیر سے حاصل نہیں ہوتا، لہذا ہم ان صفات کو اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت کریں گے اور تشبیہ کی نفی کریں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود تشبیہ کی نفی کردی ہے، فرمایا:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ﴾ ترجمہ: "اس کے مثل کوئی چیز نہیں"

بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ احمد بن ابی الحواری کے واسطے سے سفیان بن عیینہ کا یہ قول نقل کیا

ہے:

"اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب کے اندر جو اپنی صفات بیان کی ہیں، ان کی تفسیر یہ ہے کہ ان کی تلاوت کرو اور پھر خاموش ہو جاؤ"

اور ابو بکر الضبعی کے طریق سے سفیان بن عیینہ کا یہ قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"قولہ تعالٰی ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ میں اھل السنۃ کا مذہب یہ ہے کہ اسے بلا کیفیت قبول کیا جائے"

سلفِ صالحین سے اس بارہ میں بے شمار آثار ملتے ہیں اور یہی امام شافع اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا منہج ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ اپنی جامع میں نزولِ باری تعالٰی کے بارے میں حدیثِ ابی ھریرۃ کے تحت فرماتے ہیں: "اور اللہ سبحانہ وتعالٰی اپنے عرش پر ہے، جیسا کہ اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب مقدس میں اپنا یہ وصف بیان فرمایا ہے، بہت سے اہلِ علم نے اس حدیث اور اس جیسی دیگر صفات کے متعلق یہی کہا ہے۔"

اسی طرح "فضل الصدقة" کے باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" یہ تمام روایات ثابت ہیں، لہذا ہم ان پر ایمان لاتے ہیں، اور کسی وہم کا شکار نہیں ہوتے، اور نہ ہی اس صفت کی کیفیت کا سوال کرتے ہیں۔ امام مالک، سفیان بن عیینہ اور عبد اللہ بن مبارک سے یہی منقول ہے کہ وہ ان صفات کو بلا کیفیت قبول کرتے تھے، اور اہل السنۃ والجماعۃ کے اہل علم کا بھی یہی قول ہے، البتہ جہمیہ ان صفات کو تشبیہ قرار دیکر انکار کرتے ہیں، اسحٰق بن راھویہ فرماتے ہیں: تشبیہ تو تب ہو جب یوں کہا جائے کہ اس کا ہاتھ ہمارے ہاتھ جیسا اور اس کا سننا ہمارے سننے جیسا ہے"

سورۃ المائدۃ کی تفسیر میں امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أئمہ کرام فرماتے ہیں: ہم ان احادیث (صفات) پر بلا تاویل ایمان لاتے ہیں۔ ان أئمہ میں سفیان ثوری، مالک، ابن عیینہ اور ابن المبارک کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ "

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: " اہل السنۃ اللہ تعالیٰ کی ان تمام صفات کہ جو کتاب وسنت میں وارد ہیں کے بلا کیف اقرار پر متفق ہیں، البتہ گمراہ فرق جہمیہ، معتزلہ اور خوارج کا کہنا ہے کہ ان صفات کو ماننے والا مشبہ ہے "(فسما هم من أقر بها معطلة)

امام الحرمین "الرسالة النظامیه" میں فرماتے ہیں:

"صفاتِ باری تعالیٰ کے ظواہر کے بارہ میں علماءِ کرام کے مختلف مسالک ہیں، بعض تو آیاتِ قرآنی اور صحیح احادیث میں وارد شدہ صفات میں تاویل کے قائل ہیں، بلکہ وہ بالالتزام تاویلیں کرتے ہیں۔ جبکہ ائمہ سلف تاویل سے یکسر گریز کرتے ہیں، ان کا منہج یہ ہے ان ظواہر کو ان کے اصلی موارد پر محمول کریں اور معانی (حقیقت وکیفیت) کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیں۔ ہمارے نزدیک پسندیدہ رائے اور بہترین عقیدہ ومنہج، أئمہ سلف کی اتباع ہے، کیونکہ اجماعِ امت کے حجت ہونے پر قطعی دلیلیں موجود ہیں۔ اگر ان ظواہر کی تاویل ہی ضروری ہوتی تو أئمہ سلف فروعِ شریعت سے کہیں بڑھ کر اس کا اہتمام کرتے، لیکن اس کے برعکس صحابہ کرام اور تابعین عظام کا پورا زمانہ صفاتِ باری تعالیٰ میں تاویل کرنے سے گریز کرتے ہوئے گزر گیا تو پھر یہی منہج قابلِ اتباع ہے۔ "

اور تیسرے دور کے مختلف علاقوں کے علماء وفقہاء مثلاً: سفیان ثوری، اوزاعی، مالک، لیث بن سعد اور ان کے ہم عصر علماء اور ان سے روایت لینے والے بہت سے أئمہ کرام کے اقوال گزر چکے ہیں (ان سب کا منہج صفاتِ باری تعالیٰ کو بلا تشبیہ وتکییف وتاویل قبول کرنے کا تھا)۔

تو پھر اس منہج پر کیوں نہ اعتماد ویقین کیا جائے جس پر قرونِ ثلاثہ کے علماء متفق تھے، جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ صاحبِ شریعت محمد رسول اللہ ﷺ نے ان قرونِ ثلاثہ کے متعلق سب سے

بہترین قرون ہونے کی شہادت دی ہے۔

امام الحرمین جوینی کے کلام میں جو یہ بات آئی ہے کہ أئمہ سلف صفات کے معانی کی تفویض کے قائل تھے، درست نہیں ہے۔ أئمہ سلف معانی کی تفویض کے نہیں بلکہ صفات کی کیفیت کی تفویض کے قائل تھے۔ جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ، جب ان سے استواء علی العرش کی کیفیت کی بابت سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا استواء علی العرش معلوم ہے لیکن کیفیت مجہول ہے، استواء پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کی کیفیت کا سوال بدعت ہے۔

الفائدة الثانية

وسطية أهل السنة والجماعة في العقيدة بين فرق الضلال.

دوسرا فائدہ:

أھل السنۃ والجماعۃ کا دیگر گمراہ فرقوں کے مابین وسطیت واعتدال پر قائم رہنا

ہمارے نبی محمد ﷺ کی امت دیگر امتوں کے مقابلے میں وسطیت اور اعتدال پر قائم ہے، چنانچہ یہود ونصاریٰ میں افراط وتفریط کے اعتبار سے بڑا تضاد ہے، یہودیوں نے انبیاءِ کرام کے حق میں اس قدر ظلم وزیادتی کا مظاہرہ کیا کہ بعض انبیاء کو قتل تک کر دیا جبکہ عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم کے تعلق سے ایسا غلو اختیار کیا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ معبود ٹھہرادیا، یہ عقیدہ کے اندران کے تضاد کی مثال ہے۔ احکام کے اندر افراط وتفریط کے لحاظ سے تضاد کی دلیل یہ ہے کہ یہودی اپنی حائضہ عورتوں کے ساتھ کھانا پینا بلکہ قریب بیٹھنا تک بند کر دیتے ہیں، جبکہ نصاریٰ نے اس کے برعکس تفریط کا راستہ اختیار کیا ایسی عورتوں کے ساتھ جماع تک کر لیتے تھے۔

جس طرح امتِ محمدیہ دیگر امتوں کے افراط وتفریط کے مقابلے میں وسطیت واعتدال پر قائم ہے، اسی طرح اہلِ السنۃ والجماعۃ اس امت میں بنے ہوئے دیگر فرقوں کے افراط وتفریط کے مقابلے میں وسطیت واعتدال پر قائم ہیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) اہل السنۃ والجماعۃ صفاتِ باری تعالیٰ کے مسئلہ میں معطلہ اور مشبہ کی افراط وتفریط کے مقابلے میں طریق وسط پر قائم ہیں، چنانچہ مشبہ نے اللہ تعالیٰ کی صفات کو قبول تو کیا لیکن اتنی بڑی کوتاہی کے مرتکب ہوگئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے مخلوق کے ساتھ تشبیہ وتمثیل کے عقیدۂ باطلہ کو اپنا بیٹھے۔ چنانچہ انہوں نے کہا، اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اور وہ ہمارے ہاتھوں جیسا ہے، اور اس کا چہرہ ہے اور وہ ہمارے چہروں جیسا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس عقیدہ سے بہت بلند اور منزہ ہے۔

اس کے مقابلے میں معطلہ نے خود ہی یہ مفروضہ گھڑ لیا کہ اثباتِ صفات، تشبیہ کو مستلزم ہے،

لہٰذا انہوں نے صفات کی تعطیل وانکار کا عقیدہ اپنالیا، اس طرح وہ بزعمِ خویش اللہ تعالیٰ کی مشابہت مخلوق سے تنزیہ کر رہے ہیں، لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ وہ اس سے بھی بدترین تشبیہ میں داخل ہو چکے ہیں، اور وہ ہے خالق کی معدومات سے تشبیہ...... کیونکہ ایسی کسی ذات کا تصور موجود نہیں ہے جو صفات سے خالی ہو۔

أھل السنۃ والجماعۃ اس افراط وتفریط کے مقابلے میں ایک درمیانی راہ پر قائم ہیں، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا اس طرح اثبات ہو کہ وہ ہر قسم کی تشبیہ وتمثیل سے پاک ہو...... اور صفاتِ نقص سے اس طرح تنزیہ کی جائے کہ وہ ہر قسم کی تعطیل سے پاک ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ أھل السنۃ والجماعۃ اللہ تعالیٰ کیلئے سمع وبصر کی صفات ثابت کرتے ہیں کیونکہ ان دونوں صفات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیئے ثابت کیا ہے، اس طرح وہ تعطیل وانکار سے بچ گئے، پھر أھل السنۃ والجماعۃ اثباتِ صفات کے ساتھ ساتھ تنزیہ کے بھی قائل ہیں اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی صفات، مخلوق کی صفات سے قطعی مماثل ومشابہ نہیں ہیں، چنانچہ مشبہ کے پاس اثبات ہے لیکن تشبیہ کے ساتھ، اور معطلہ کے پاس تنزیہ ہے لیکن تعطیل کے ساتھ، یعنی أھل السنۃ والجماعۃ نے اس تعلق سے ہر دو گروہوں کی خوبی لے لی اور وہ اثبات اور تنزیہ ہے، اور ہر دو گروہوں کی برائی سے اپنے آپ کو بچالیا اور وہ تشبیہ اور تعطیل ہے۔

معطلہ أھل السنۃ والجماعۃ کو مشبہ کے لقب سے ملقب کرتے ہیں جو جھوٹ پر مبنی ہے؛ کیونکہ ان کے ہاں اثبات کا تشبیہ کے بغیر کوئی تصور نہیں ہے، جبکہ أھل السنۃ والجماعۃ کا کہنا ہے کہ معطلہ کا عقیدہ معبود کی نفی وانکار پر قائم ہے۔

حافظ ابن عبدالبر "التمھید" (۱۴۵/۷) میں فرماتے ہیں:

"اہل بدعت، جہمیہ، معتزلہ اور خوارج صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اور کسی صفت کو اس کی اصل حقیقت پر محمول نہیں کرتے، اور وہ اپنے زعم میں صفات کا اقرار کرنے والوں کو مشبہ

سمجھتے ہیں، حالانکہ صفاتِ باری تعالیٰ کا اقرار کرنے والے " أھل السنة والجماعة" انہیں معبود کی نفی وانکار کرنے والا قرار دیتے ہیں"

امام ذھبی نے ابنِ عبدالبر کا یہ قول "کتاب العلو " (۱۳۱۲) میں نقل کرکے اس پر درج ذیل تعلیق لگائی ہے:

اللہ کی قسم ابنِ عبدالبر نے بالکل سچ کہا ہے کیونکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات میں تاویلیں کرتے ہیں اور انہیں مجاز پر محمول کرتے ہیں وہ رب تعالیٰ کی ذات کی نفی وتعطیل اور اس کے معدوم کے مشابہ ہونے کے عقیدۂ باطلہ میں مبتلا ہوگئے، جیسا کہ حماد بن زید کا قول ہے، فرماتے ہیں: جہمیہ کی مثال اس قوم جیسی ہے جو کہے ہمارے گھر میں کھجور کا درخت ہے، ان سے پوچھا گیا:

اس کی شاخیں ہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں۔

اس کی ٹہنیاں ہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں۔

اس میں تازہ پھل اور خوشے ہیں؟ جواب دیا نہیں۔

اس کا تنا ہے؟ جواب دیا نہیں۔

تو اس قوم سے یہی کہا جائے گا: تمہارے گھر میں کھجور کا کوئی درخت نہیں۔"

مطلب یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے صفات کی نفی کررہا ہے وہ درحقیقت معبود کی نفی کررہا ہے، اس لیئے کہ ایسی کسی ذات کا وجود نہیں جو صفات سے خالی ہو۔ اس لیئے حافظ ابن القیم اپنے قصیدۂ نونیہ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

"مشبہ صنم کا پجاری ہے، جبکہ معطل عدم کا، اور موحد اس الہٰ کی عبادت کرتا ہے، جو واحد وصمد ہے، اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ ذات سمیع وبصیر ہے۔"

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

" معطل کا دل عدم کے ساتھ معلق ہے، اور وہ احقر الحقیر چیز ہے، جبکہ مشبہ کا دل صنم کے

ساتھ معلق ہے جو تصویروں اور اندازوں سے گھڑا اور تراشا جاتا ہے، جبکہ موحد کا دل اس ذات کی پرستش کررہا ہے، جس جیسی کوئی چیز نہیں ہے، اور وہ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے "

(۲) أھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ افعالِ عباد کے تعلق سے جبریہ اور قدریہ کے افراط وتفریط کے درمیان واقع ہے۔

جبریہ، بندوں سے ہر قسم کے اختیار کی نفی کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ بندوں سے جو اعمال وافعال سرزد ہورہے ہیں وہ بلا قصد واختیار سرزد ہورہے ہیں، جس طرح کے درختوں کی شاخوں اور پتوں کی حرکت غیر اختیاری ہے۔ جبکہ قدریہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا انکار کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ بندہ اپنے ہر طرح کے افعال کا خود ہی خالق ہے۔ جبکہ أھل السنۃ والجماعۃ، بندے کیلئے اس حد تک مشیئت واختیار ثابت کرتے ہیں جسے بروئے کار لاکر وہ اجر وثواب یا عذاب وعقاب کا مستحق بنتا ہے، لیکن وہ بندے کو اس مشیت واختیار میں مستقل نہیں سمجھتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ کے تابع قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ .وَمَا تَشَاءُ وْنَ اِلَّآاَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ﴾

ترجمہ: "(یہ قرآن نصیحت ہے بالخصوص) اس کیلئے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا ہے۔ اور تم بغیر پروردگار عالم کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے" (التکویر:۲۸،۲۹)

اور یہ عقیدہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام بندوں اور ان کے تمام افعال کا خالق ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَاتَعْمَلُوْنَ ﴾ (الصافات:۹۶)

ترجمہ: "حالانکہ تمہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو، کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے"

(۳) أھل السنۃ والجماعۃ، وعد و وعید کے باب میں مرجئہ اور خوارج ومعتزلہ کی افراط وتفریط کے مابین اعتدال کی راہ پر قائم ہیں۔

مرجئہ کا عقیدہ ہے کہ جس طرح کفر کی حالت میں کی گئی نیکی فائدہ نہیں دیتی، اسی طرح ایمان کی حالت میں کیئے گئے گناہ کا کوئی نقصان نہیں۔ اس سلسلہ میں ان کا اعتماد صرف نصوصِ وعد پر ہے جبکہ نصوصِ شرعیہ کو انہوں نے مہمل و معطل قرار دے دیا ہے۔ نصوصِ وعد سے مراد ثواب وبشارت پر مشتمل آیات واحادیث ہیں، جبکہ نصوصِ وعید سے مراد وہ آیات واحادیث جن میں سزا اور عذاب وعقاب کا ذکر ہے۔ گویا مرجئہ اس قدر تفریط کا شکار ہیں کہ ان کے نزدیک گناہ کا کوئی نقصان نہیں ...... اس کے برخلاف خوارج ومعتزلہ کا افراط ہے، جنہوں نے ایک کبیرہ گناہ کے مرتکب کو دنیا میں ایمان سے خارج قرار دے دیا اور آخرت میں اس کے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنمی ہونے کا عقیدہ اپنالیا۔ خوارج ومعتزلہ نے یہ عقیدہ اختیار کرنے کیلئے نصوصِ وعید پر اکتفاء کرلیا اور نصوصِ وعد کو پسِ پشت ڈال دیا۔ جبکہ أھل السنۃ والجماعۃ نے نصوصِ وعد اور نصوصِ وعید دونوں کو ساتھ ساتھ لیا، ان کے نزدیک کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ تو ایمان سے خارج ہے اور نہ آخرت میں مخلد فی النار ہے، بلکہ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوگا چاہے عذاب دے دے اور چاہے معاف فرمادے، اگر عذاب دے گا تو ہمیشہ جہنم میں نہیں رکھے گا جس طرح کہ کفار کیلئے جہنم کی ہمیشگی ہے، بلکہ اسے جہنم سے بالآخر نکال کر جنت میں داخل فرمادے گا۔

(۴) أھل السنۃ والجماعۃ، ایمان کے باب میں مرجئہ اور خوارج ومعتزلہ کی افراط وتفریط کے مابین اعتدال کی راہ پر قائم ہیں۔

اس سلسلہ میں مرجئہ کی تفریط یہ ہے کہ وہ نافرمان مؤمن کو کامل الایمان تصور کرتے ہیں۔ اور خوارج ومعتزلہ کی تفریط یہ ہے کہ وہ نافرمان مؤمن کو ایمان سے خارج قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد خوارج تو اس کے کافر ہونے کا حکم لگاتے ہیں، لیکن معتزلہ کے نزدیک وہ ایمان سے خارج تو ہے لیکن کفر میں داخل نہیں، بلکہ ایمان وکفر کے درمیان ایک ٹھکانے پر کھڑا ہے۔

أھل السنۃ والجماعۃ، نافرمان مؤمن کو ناقص الایمان تصور کرتے ہیں، اسے نہ تو مرجئہ کی

طرح کامل الایمان تصور کرتے ہیں کہ یہ تفریط کا راستہ ہے، اور نہ ہی خوارج ومعتزلہ کی طرح ایمان سے خارج قرار دیتے ہیں کہ یہ افراط کا راستہ ہے۔ بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ وہ اپنے ایمان پر قائم رہنے کی بناء پر مؤمن ہے، اور کبیرہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے فاسق ہے، نہ تو اسے ایمانِ مطلق کا پروانہ دیتے ہیں اور نہ ہی اس سے مطلق ایمان کا حکم سلب کرتے ہیں۔

أھل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ایک بندے کے اندر ایمان اور معصیت اور محبت وبغض کا جمع ہونا ممکن ہے، چنانچہ اس کے اندر موجود ایمان کی بناء پر اس سے محبت کی جائے، اور اس سے فسق وفجور کے ارتکاب کی بناء پر بغض رکھا جائے۔ محبت وبغض کے اس اجتماع کو بڑھاپے کی مثال سے سمجھا جاسکتا ہے، بڑھاپا انتہائی پسندیدہ بھی ہے اور انتہائی ناپسندیدہ بھی، پسندیدہ اس وقت جب اس کے مابعد یعنی موت کو دیکھا جائے، اور ناپسندیدہ اس وقت جب اس کے ماقبل یعنی جوانی کو دیکھا جائے، جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے:

الشیب کرہٌ وکرہٌ ان نفارقَہ
فاعجب لشیءٍ علی البغضاءِ محبوب

بڑھاپا ناپسندیدہ ہے لیکن اس سے مفارقت اور بھی ناپسندیدہ ہے (کیونکہ مفارقت کا مطلب موت ہے) لہذا ناپسندیدگی کے باوجود اسے پسند کیئے رہو۔

(۵) أھل السنۃ والجماعۃ، خوارج وروافض کے اندر موجود افراط وتفریط کے مابین مذہب اعتدال پر قائم ہیں۔

چنانچہ افراط یہ ہے کہ انہوں نے علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھ موجود صحابہ کرام کو کافر کہا، ان سے قتال کیا اور ان کے اموال کو حلال سمجھا۔ دوسری طرف روافض کی تفریط ملاحظہ کیجئے کہ انہوں نے علی، فاطمہ اور انکی اولاد رضی اللہ عنھم کے بارہ میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ انہیں معصوم قرار دینے لگے، اور دوسری طرف تمام صحابہ کو اپنے بغض اور سب وشتم کا نشانہ بنایا۔

أھل السنۃ والجماعۃ تمام صحابہ کرام سے محبت کرتے ہیں، ان کے ساتھ دوستی اور ولاء قائم کرتے ہیں، اور انہیں انکے اصل مقام ومرتبہ پر فائز سمجھتے ہیں، اور کسی صحابی کے معصوم ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ اس سلسلہ میں امام طحاوی أھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" ہم رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور کسی کی محبت میں نہ تو افراط وغلو کے قائل ہیں اور نہ ہی کسی صحابی سے بغض وبراء کا نظریہ رکھتے ہیں۔ اور صحابہ کرام کا بغض رکھنے والا اور انہیں کلمۂ خیر سے یاد نہ کرنے والا ہمارے نزدیک نفرت وبغض کا مستحق ہے۔ ہم ہمیشہ خیر کے ساتھ صحابہ کا ذکر کرتے ہیں، انکی محبت دین، ایمان اور احسان ہے، جبکہ ان کے ساتھ بغض وعداوت رکھنا کفر، نفاق اور سرکشی ہے۔ "

امام طحاوی کا یہ فرمان: "ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے محبت کرتے ہیں" کا مطلب یہ ہوا کہ أھل السنۃ أصحاب رسول کے بارہ میں اس جفاء سے پاک صاف اور بری ہیں جس میں روافض وخوارج جتلا تھے۔ اور ان کا یہ فرمانا: "ہم کسی کی محبت میں افراط وغلو کے قائل نہیں" کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ان سے محبت کے تعلق سے ہر قسم کے غلو سے پاک ہیں۔ چنانچہ ہم ان سے محبت کرتے ہیں اس طرح ہم جفاء میں جتلا نہیں اور اس محبت میں کسی قسم کا غلو روا نہیں رکھتے اس طرح ہم جتلائے غلو بھی نہیں ہیں۔

واضح ہو کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان امور کو کہ جن میں أھل السنۃ والجماعۃ، بقیہ فرق کے درمیان راہِ اعتدال پر قائم ہیں کو" العقیدۃ الواسطیۃ " میں اجمالاً بیان فرمایا ہے؛ چنانچہ فرماتے ہیں:

" اھل السنۃ والجماعۃ صفات باری تعالی کے بارہ میں أھل تعطیل جہمیہ اور اہل تمثیل مشبہ کی افراط وتفریط اور افعالِ عباد میں جبریہ اور قدریہ کی افراط وتفریط، اور وعد ووعید کے باب میں مرجۂ

اور خوارج کی افراط وتفریط، اور ایمان ودین کے باب میں خوارج ومعتزلہ اور مرجئہ وجہمیہ کی افراط وتفریط اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے بارہ میں رافضہ اور خوارج کی افراط وتفریط کے مابین راہِ اعتدال پر قائم ہیں۔"

الفائدة الثالثة

عقيدة أهل السنة والجماعة مطابقة للفطرة .

تیسرا فائدہ:

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ فطرت کے مطابق ہے۔

صحیح بخاری (۱۳۸۵) اور صحیح مسلم (۲۶۵۸) میں (اور یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں) ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی ﷺ نے فرمایا: [ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں......]

صحیح مسلم (۲۸۶۵) میں عیاض بن حمار المجاشعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، (حدیثِ قدسی) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

[......اور میں نے تو اپنے تمام بندوں کو حنفاء پیدا کیا ہے مگر شیاطین نے ان کے پاس آکر انہیں ان کے دین سے برگشتہ کر دیا، اور میری حلال کردہ اشیاء کو حرام کر دیا، اور انہیں میرے ساتھ شرک کرنے کا حکم دے دیا، حالانکہ شرک ایک ایسی چیز ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے]

یہ دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ دینِ اسلام، دینِ فطرت ہے، اور اُھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ فطرت کے مطابق ہے، یہی وجہ ہے کہ صحیح مسلم (۵۳۷) میں معاویہ بن الحکم السلمی کی روایت کہ جس میں لونڈی کا قصہ مذکور ہے، چنانچہ معاویہ بن الحکم نے نبی ﷺ سے پوچھا: [کیا میں اسے آزاد کر دوں؟ تو نبی علیہ السلام نے (یہ جاننے کیلئے کہ وہ مسلمان ہے یا نہیں) فرمایا: اسے میرے پاس لاؤ چنانچہ معاویہ فرماتے ہیں: میں لے آیا، تو آپ ﷺ نے پوچھا: اللہ

کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان پر، آپ ﷺ نے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے آزاد کر دو بے شک یہ مؤمنہ ہے……]

اس لونڈی نے اپنی فطرتِ سلیمہ سے یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ ءَ أَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ. أَمْ أَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ ﴾ (الملک:۱۶، ۱۷)

ترجمہ: ''کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تمہیں زمین میں دھنسا دے اور اچانک زمین لرزنے لگے۔ یا کیا تم اس بات سے نڈر ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تم پر پتھر برسا دے؟ پھر تو تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا''

ان دونوں آیتوں سے بصراحت اللہ تعالیٰ کا آسمان میں ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ ''السماء'' سے مراد یا تو علو یعنی بلندی ہے اور یا ''فی'' بمعنی ''علی'' ہے، جیسا کہ قولہ تعالیٰ: ﴿ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ ﴾ میں ''فی'' ''علی'' کے معنی میں ہے۔ جو لوگ مبتلائے مرضِ علمِ کلام ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے علو کو علوِ قدر و مرتبہ اور علوِ قہر پر محمول کرتے ہیں (علو ذات نہیں مانتے) جبکہ أھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علو سے علوِ قدر، علوِ قہر اور علو ذات سب مراد ہیں۔

بعض متکلمین سے ایسی عبارات منقول ہوئی ہیں جن میں وہ یہ اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ''نجات و سلامتی کا راستہ ہماری فلسفیانہ موشگافیاں نہیں، بلکہ ہماری بوڑھی بزرگ خواتین کا عقیدہ ہے جو انتہائی سادہ اور فطرت کے عین مطابق ہے۔''

شارح الطحاویۃ نے ابو المعالی الجوینی کا ایک کلام نقل کیا ہے جس میں وہ علم کلام کی مذمت کرتے ہیں: (اپنی عمر کا ایک طویل حصہ علم کلام کی گتھیاں سلجھاتے ہوئے گزارنے والا یہ شخص بالآخر) اپنی موت کے وقت کہہ گیا:

"میں اپنی والدہ کے عقیدہ پر مرتا ہوں"

یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ: "میں نیشاپور کے بوڑھے بزرگوں کے عقیدہ پر مرتا ہوں"

امام رازی جو متکلمین کے سرخیل شمار ہوتے ہیں، "لسان المیزان" (۴/۴۲۷) میں ان کے ترجمہ میں ہے:

"وہ اصولِ کلام میں تبحرِ علمی کے باوجود کہا کرتے تھے کہ کامیاب تو وہی ہوگا جو عجائز یعنی بوڑھی خواتین کے سادہ اور مطابقِ فطرت عقیدے کو اپنا لے"

ابو محمد الجوینی جو امام الحرمین کے والد ہیں، اپنے اشعری مشائخ کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جو شخص اتنا کچھ پڑھ لینے کے باوجود اب تک اپنے معبود کی جہت کو نہیں پہنچان پایا، اور ایک بکریاں چرانے والی لونڈی (جس نے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ اللہ آسمان میں ہے) اس سے زیادہ اللہ کو جانتی ہے، تو پھر اس پڑھے لکھے شخص کا دل ہمیشہ اندھیروں اور تاریکیوں میں بھٹکتا رہے گا جو ایمان ومعرفت کے انوار سے کبھی منور نہیں ہو سکے گا۔"

("مجموعة الرسائل المنيرية" (۱/۱۸۵)

"طبقات ابن سعد" (۵/۳۷۴) میں، صحیح مسلم کی شرط پر جعفر بن برقان سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ایک شخص عمر بن عبدالعزیز کے پاس آیا، اور بدعات واھواء کے تعلق سے کچھ باتیں پوچھیں، تو آپ نے فرمایا:

"ان بڑے بڑے لکھاریوں کے بیچ (خالص الفطرت) بچے اور اعرابی کے عقیدے کو تھام لو، اور اس کے سوا ہر چیز بھول جاؤ"

امام نووی نے بھی "تهذيب الأسماء واللغات" (۲/۲۲) میں یہ قول ان کی طرف منسوب فرمایا ہے۔

الفائدة الرابعة

الكلام في الصفات فرع عن الكلام في الذات والقول في بعض الصفات كالقول في البعض الآخر .

چوتھا فائدہ:

صفاتِ باری تعالیٰ میں گفتگو ذاتِ باری تعالیٰ میں
گفتگو کی فرع ہے، اور بعض صفاتِ باری تعالیٰ میں
گفتگو دیگر صفاتِ باری تعالیٰ میں گفتگو کی طرح ہے

أهل السنة والجماعة اللہ تعالیٰ کیلئے تمام اسماء وصفات جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمادیئے، ثابت کرتے ہیں، اور اس طرح ثابت کرتے ہیں جس طرح اس ذات کے جمال وکمال کے لائق ہے۔ اور اثباتِ صفات میں کسی قسم کی تکییف یا تمثیل یا تاویل کا نہ تو ارتکاب کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں روا سمجھتے ہیں۔

جہمیہ اور معتزلہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو تو ثابت کرتے ہیں لیکن صفات کا انکار کرتے ہیں، ہم ان سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں کلام، اس کی ذات میں کلام کی فرع ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات کو بایں طور مانتے ہو کہ وہ ذات مخلوقات کی ذات کے مشابہ نہیں ہے، ویسی ہی اس کی وہ صفات جو کتاب وسنت سے ثابت ہیں انہیں اسی طرح مان لینا چاہیئے کہ وہ مخلوقات کی صفات کے مماثل ومشابہ نہیں۔ یعنی ذات کی طرح صفات کو مان لینے میں کیا مانع ہے؟

اسی طرح اشاعرہ جو اللہ تعالیٰ کی بعض صفات بلا تاویل مانتے ہیں، لیکن بقیہ صفات میں تاویل کرتے ہیں، ان سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات میں کلام، دیگر صفات میں کلام ہی کی طرح ہے، جب تم بعض صفات کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ انہیں بلا تاویل مان لینا چاہیئے جیسا کہ اس ذات کے لائق ہے، تو بقیہ صفات کے بارہ میں یہ عقیدہ کیوں نہیں رکھتے کہ انہیں بھی

بلا تاویل، جیسا اس ذات کے لائق ہے مان لیا جائے؟ ان دونوں قواعد کی مکمل توضیح کیلئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے رسالہ "التدمریة" (۳۱،۴۶) کی طرف مراجعت کیجائے۔

الفائدة الخامسة

السلف ليسوا مؤولة ولا مفوضة .

پانچواں فائدة:

سلفِ صالحین اسماء وصفات میں نہ تو تاویل کے قائل تھے اور نہ ان کے معنی میں تفویض کے قائل تھے

یہ بات معلوم ہے کہ سلفِ صالحین، صحابہ وتابعین، قرآن وحدیث سے ثابت اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء وصفات کو اس طرح مانتے تھے جیسے اس ذات کے جمال وکمال کے لائق ہے، اور اس بارہ میں تشبیہ، تعطیل یا تکییف کے روا ہونے کے قطعاً قائل نہیں تھے...... لیکن خلف یعنی بعد میں آنے والوں کا عقیدہ اس کے برخلاف ہے۔ کیونکہ وہ صفاتِ باری تعالیٰ میں تاویلیں کرتے ہیں اور انہیں معنیٰ باطل کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ اسی طرح مفوضہ کا طریقہ بھی، سلفِ صالحین کے طریقہ کے خلاف ہے۔

مفوضہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے معانی کو بھی اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کے قائل ہیں، یعنی ان کا کہنا ہے کہ ان صفات کا معنیٰ بھی اللہ جانتا ہے، ہم نہیں جانتے۔ مؤولہ یعنی تاویل کرنے والا گروہ، مفوضہ کے اس عمل کو سلفِ صالحین کا طریقہ قرار دیتا ہے۔ حالانکہ یہ باطل ہے، سلفِ صالحین صفات کے معانی کی تفویض نہیں کرتے تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت کی تفویض کرتے تھے۔ جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے، جب ان سے اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کی کیفیت کے بارہ میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا: " الاستواء معلوم، والكيف مجهول

والایمان بہ واجب، والسؤال عنہ بدعۃ "یعنی اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کا معنی معلوم ہے، لیکن استواء کی کیفیت مجہول ہے، لہٰذا استواء پر ایمان لانا واجب ہے اور کیفیت کا سوال بدعت ہے۔

ثابت ہوا کہ سلفِ صالحین صفات کے معنی کی تفویض نہیں کرتے تھے، بلکہ صفات کی کیفیت کی تفویض کرتے تھے۔ اب جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کا طریقہ معانی صفات میں تفویض کرنا تھا، وہ تین انتہائی خوفناک گناہوں کا مرتکب بن جاتا ہے:

(۱) ایک اس کا سلفِ صالحین کے مذہب سے جاہل ہونا۔

(۲) دوسرا اس کا سلفِ صالحین کو جاہل قرار دینا۔

(۳) تیسرا اس کا سلفِ صالحین پر جھوٹ باندھنا۔

جہاں تک اس کے سلفِ صالحین کے مذہب سے جاہل ہونے کا تعلق ہے، تو اس کی وجہ واضح ہے، امام مالک رحمہ اللہ کا قول جو ابھی گزرا اس سے منہجِ سلف کا صاف پتا چل رہا ہے، لیکن یہ شخص سلفِ صالحین کا مذہب جانتا ہی نہیں۔

جہاں تک اس کا سلفِ صالحین کو جاہل قرار دینے کا تعلق ہے، تو یہ بھی واضح ہے، کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ سلفِ صالحین صفات کے معانی کی تفویض کرتے تھے، تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ انہیں صفات کے معانی کا فہم حاصل نہیں تھا، لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت پر یہی بات کہنے پر اکتفاء کر لیتے تھے کہ اس کا معنی اللہ ہی جانتا ہے، (اور یہ باطل ہے)

جہاں تک اس کے سلفِ صالحین پر جھوٹ باندھنے کا تعلق ہے تو یہ بھی واضح ہے کیونکہ اس نے ایک باطل مذہب کو سلفِ صالحین کی طرف منسوب کیا ہے، جس سے وہ بالکل بری تھے۔

الفائدة السادسة

كل من المشبهة والمعطلة جمعوا بين التمثيل والتعطيل .

چھٹا فائدہ:

مشبہ اور معطلہ دونوں نے اپنے اپنے عقیدے میں تمثیل وتعطیل کو جمع کر دیا ہے

معطلہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو نہیں مانتے، بلکہ ان کی نفی اور تعطیل کے قائل ہیں۔ ان کا شبہ یہ ہے کہ صفات کے اثبات سے تشبیہ لازم آتی ہے۔ یہ شبہ اس لیئے پیدا ہوا کہ وہ صفاتِ باری تعالیٰ کا تصور، مخلوقات کی صفات کے مشاہدہ کی روشنی میں کر بیٹھے، چنانچہ اس غلط تصور نے انہیں نفیِ صفات اور تعطیلِ صفات کی وادی میں دھکیل دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک چیز سے بچنے کی کوشش میں اس سے بھی زیادہ بدترین چیز میں پھنس کر رہ گئے، کیونکہ انکے اس باطل عقیدہ کا ماحصل یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ معدومات (جن اشیاء کا وجود نہ ہو) کے مشابہ ہے، کیونکہ ایسی کسی ذات کا تصور ممکن نہیں جو صفات سے خالی ہو۔

ہم ایک مثال سے وضاحت کرتے ہیں، کتاب وسنت میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام ثابت ہے جس کا ظاہری معنی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ الفاظ واصوات کے ساتھ کلام فرماتا ہے (جس کی کیفیت ہم نہیں جانتے) اب جہمیہ اور معتزلہ نے بزعمِ خویش اللہ تعالیٰ کے کلام فرمانے کا وہ تصور ذہن میں بٹھالیا جو مخلوق کے طریقہ کلام کے مشابہ ہوگا، پھر اس پر یہ لازم آئے گا کہ جس طرح مخلوق کلام کرنے کیلئے زبان، حلق اور ہونٹوں کی محتاج ہے اللہ تعالیٰ کیلئے بھی یہ سب ضروری ہوگا[1]۔ اب چونکہ ان کے نزدیک یہ تمام چیزیں مخلوقات ہی میں متصور ہیں، تو اگر یہ مان لیں کہ اللہ تعالیٰ بھی کلام فرماتا ہے، تو اس کا مخلوقات کے مشابہ ہونا لازم آجائے گا، لہٰذا انہوں نے صفتِ کلام ہی کا انکار کر دیا۔

جہمیہ نے جو خود ساختہ تصورات کی عمارت تعمیر کی ہے وہ کئی وجوہ سے باطل اور مردود ہے:

(۱) اثباتِ صفات اور تشبیہ میں کوئی تلازم نہیں ہے، کیونکہ اثبات یا تو تشبیہ کے ساتھ ہوگا، یا تنزیہ کے ساتھ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کیلئے صفت کے اثبات کا تشبیہ کے ساتھ ہونا باطل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ اب یہاں اللہ تعالیٰ کیلئے صفتِ سمع وبصر ثابت ہیں، اور ساتھ ساتھ مشابہت اور مماثلت کی نفی بھی ہے، اور یہی اللہ تعالیٰ کے جلال وکمال کے لائق ہے، اور یہی حق ہے، (لہٰذا اثباتِ صفت کیلئے لازماً تشبیہ کا تصور جہمیہ ومعتزلہ کا اپنا پیدا کردہ ہے، جو مردود ہے۔)

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اثباتِ صفات سے تشبیہ لازم آنے کا ان کا جو زعم ہے، جس کی بناء پر یہ صفات کا انکار کر دیتے ہیں، بذاتِ خود ایک بہت بڑے اور بدترین محذور کے پیدا ہونے کا باعث بنتا ہے اور وہ ہے خالق کا معدومات کے مشابہ ہونا۔ اس کے بارہ میں اہلِ علم کا کچھ تبصرہ گزر چکا ہے، خصوصاً امام ذہبی نے حماد بن زید کے حوالے سے جو کھجور کی مثال بیان کی ہے جس میں کھجور والوں نے اپنے گھر کھجور کا درخت ہونے کا دعویٰ کیا لیکن جب ان سے کھجور کے درخت کی تمام صفات کا پوچھا گیا تو ہر صفت کی نفی کی، جس پر ان سے کہا گیا کہ تمہارے گھر میں کھجور کا درخت نہیں ہے۔ چنانچہ فائدہ نمبر (۳) میں اس کی تفصیل موجود ہے (خلاصہ یہ ہے کہ معطلہ نے تشبیہ کے ڈر سے اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کیا، تو اس ذات کو صفات سے معطل کر کے معدوم جیسا بنا دیا جو ان کے پیدا کیئے ہوئے محذور سے زیادہ محذور ہے)

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض مخلوقات کا کلام کرنا ثابت ہے اور وہ مخلوقات کے طریقۂ کلام سے یکسر مخالف ہے، چنانچہ بکری کی دستی جس میں نبی ﷺ کیلئے زہر ملا دیا گیا تھا نے نبی ﷺ سے بات کی اور آپ ﷺ کو اپنے زہر آلود ہونے کی خبر دی۔ (ابوداود، ۴۵۱۰،۴۵۱۲)

صحیح مسلم (۲۲۷۷) میں جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[میں مکہ میں ایک پتھر کو جانتا ہو جو میری بعثت سے قبل مجھے سلام کیا کرتا تھا، میں اسے اب بھی پہچانتا ہوں]

یہ دنیا کے اندر بعض مخلوقات کے کلام کرنے کی مثالیں ہیں، آخرت میں بعض مخلوقات کے کلام کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ (یٰس:٦٥)

ترجمہ: ”ہم آج کے دن ان کے منہ پر مہریں لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں گواہیاں دینگے ان کاموں کی جو وہ کرتے تھے“

اور فرمایا: ﴿ حَتّٰى اِذَا مَا جَاءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ . وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ (فصلت:٢٠،٢١)

ترجمہ: ”یہاں تک کہ جب بالکل جہنم کے پاس آجائیں گے ان پر ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے اعمال کی گواہی دیں گی۔ یہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی؟ وہ جواب دیں گی کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے قوتِ گویائی عطا فرمائی جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت بخشی ہے، اسی نے تمہیں اول مرتبہ پیدا کیا اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے“

کیا یہاں یہی کہو گے کہ دستی، پتھر، ہاتھوں اور پاؤں کا زبان، حلق اور ہونٹوں کے بغیر کلام ممکن نہیں ہے۔ جب ان مخلوقات کا کلام کرنا ثابت ہے اور وہ بھی اس طرح جو عام مخلوقات کے طریقہٴ کلام سے مختلف ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ جس کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں اس کی صفتِ کلام کو مخلوق کے مشابہ قرار دینے کی کیا ضرورت اور مجبوری ہے؟

یہاں امرِ واجب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام برحق ہے، اس کا اثبات واجب ہے، بالکل اسی طرح جس طرح اس کی شانِ کمال وجلال کے لائق ہے۔

اس تقریر سے ثابت ہوا کہ معطلہ نے تعطیل کے ساتھ ساتھ تشبیہ کا بھی ارتکاب کیا ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کو معدومات سے تشبیہ دیتے ہیں)

جس طرح معطلہ نے تشبیہ کا ارتکاب کیا ہے، اسی طرح مشبہ نے تعطیل کا ارتکاب کیا ہے۔ چنانچہ اگرچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا اثبات کیا ہے لیکن اسے مخلوقات کے مشابہ قرار دے دیا ہے...... چنانچہ وہ معطلہ بھی ہو گئے کیونکہ انہوں نے صفات کو اس طرح نہیں مانا جس طرح اللہ تعالیٰ کے لائق شان ہے۔ تو کیوں کہ یہ ماننا خلاف شریعت ہے لہذا وہ ماننے کے باوجود منکر اور معطل قرار پائے۔

الفائدة السابعة

متكلمون يذمون علم الكلام ويظهرون الحيرة والندم .

ساتواں فائدہ:

بعض متکلمین کا علمِ کلام کی مذمت کرنا اور علمِ کلام کے ساتھ تعلق کی وجہ سے حیرت وندامت کا اظہار کرنا۔

أهل السنة والجماعة کا عقیدہ کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ ﷺ کی دلیل، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم وارضاھم کے فہم پر مبنی ہے۔ یہ بہت ہی ستھرا، روشن، واضح اور بین عقیدہ ہے جس میں ابہام یا پیچیدگی نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ان لوگوں کے برخلاف، جنہوں نے عقیدہ کے سلسلہ میں عقول پر اعتماد کیا، نقول (یعنی قرآن وحدیث) میں من مانی کی، تاویلیں کیں اور مذموم قسم کے علمِ کلام پر اپنے معتقدات کی بناء قائم کر دی۔ جبکہ علمِ کلام کے نقصانات سے تو ان لوگوں نے بھی

آگاہ کیا جو ایک عرصہ اس علم کے ساتھ منسلک و منجلی رہے، بلکہ ایک فضول اور بے مقصد کام میں تضییعِ اوقات پر نیز حق تک رسائی حاصل نہ ہونے پر ندامت وخجالت کا اظہار کرتے رہے۔ان کا انجام کار تحیر، سرگردانی اور ندامت کے سوا کچھ نہ ہوتا، البتہ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علمِ کلام کے ترک اور طریقۂ سلف کی اتباع کی توفیق دے دی۔ انہوں نے پھر علمِ کلام کی خوب مذمت وشناعت بیان کی۔

ابو حامد الغزالی رحمہ اللہ جو علمِ کلام میں تمکن ورسوخ میں خوب شہرہ رکھتے تھے، لیکن پھر بالآخر انہوں نے علمِ کلام کی مذمت کی اور بہت ڈٹ کر مذمت کی، اور گھر کے بھیدی سے بہتر خبر کون دے سکتا ہے؟ وہ اپنی کتاب ''احیاء علوم الدین'' (۹۱،۹۲) میں علمِ کلام کے نقصانات وخطورات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جہاں تک علمِ کلام کے نقصانات کا تعلق ہے تو اس کا کام شکوک وشبہات ابھارنا، عقائد میں ضعف واضمحلال پیدا کرنا اور وہ جزم وقطعیت جو عقیدہ کا اصل لازمہ ہے کو یکسر زائل کر دینا ہے۔ یہ مرض ابتداء ہی سے لاحق ہو جاتا ہے، پھر اتنی پختگی آجاتی ہے کہ رجوع الی الحق کے سلسلہ میں ٹھوس اور قطعی دلیل کا معاملہ بھی مشکوک ہو جاتا ہے، اس حوالے سے لوگوں کے مختلف ذہنی مستوی دیکھنے میں آتے ہیں۔ علمِ کلام کا ایک نقصان تو یہ ٹھہرا کہ یہ اعتقادِ حق میں ضعف اور شکوک پیدا کرتا ہے، دوسری طرف یہ نقصان بھی ہے کہ یہ مبتدعین کے باطل عقائد کے سینوں میں مضبوطی وپختگی کا باعث بنتا ہے، اس طرح کہ اولاً ان کے دواعی ومحرکات ابھرتے ہیں، پھر رفتہ رفتہ ان عقائدِ باطلہ پر مصر رہنے کی شدید حرص پیدا ہو جاتی ہے، یہ صرف اس تعصب کی پیداوار ہے جو علمِ کلام کے اصل محور یعنی جدل اور لاحاصل قیل وقال سے جنم لیتا ہے''

امام غزالی مزید فرماتے ہیں:

''جہاں تک علمِ کلام کے فوائد کا تعلق ہے تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حقائق کے منکشف ہونے

اور ان کی حقیقی معرفت حاصل ہونے کا فائدہ دیتا ہے، لیکن یہ بات انتہائی بعید اور ناممکن ہے، علمِ کلام اس پاکیزہ مقصد میں ہرگز وفا نہیں کرتا، بلکہ غور کریں تو یہ حقائق کے کشف ومعرفت سے زیادہ خبط وضلالت پیدا کرنے کے کردار پر قائم ہے، یہ بات اگر تم کسی محدث سے یا ایسے شخص سے سنو گے جسے تم حشوی کہتے ہو تو شاید تم ان کی مذمت اس گمان پر کرو کہ چونکہ ایک محدث علمِ کلام سے واقف نہیں ہے اور لوگ جس چیز سے واقف نہ ہوں اس کے دشمن ہوتے ہیں، لیکن تم یہ بات اس شخص سے سنو جو علمِ کلام کو جانتا ہے، اور اس کی اصلیت کو پہچان لینے اور درجۂ متکلمین کے انتہائی اور آخری مقام پر ٹکریں مارنے کے بعد اس سے ناراضگی اختیار کر کے اسے ٹھکرا دینے کی ٹھان لیتا ہے اور پوری بصیرت کے ساتھ یہ باور کر لیتا ہے کہ علمِ کلام کے ذریعہ معرفت کے حقائق کا راستہ بالکل بند اور مسدود ہے۔ ہاں علمِ کلام بعض امور کے کشف، ایضاح اور تعریف کا باعث ضرور بنتا ہے، لیکن انتہائی نادر، اور وہ بھی ایسے امور کی جنھیں علمِ کلام میں تعمق کے بغیر بھی سمجھا جاسکتا ہے۔"

عقیدۂ طحاویہ کے شارح نے غزالی کے علمِ کلام کی مذمت پر مشتمل اس تبصرے اور دیگر تبصروں کو نقل کر کے فرمایا ہے (ص ۲۳۸)

"امام غزالی جیسی شخصیت کا علمِ کلام کے بارہ میں یہ تبصرہ انتہائی مکمل اور قاطع حجت ہے"

پھر شارحِ طحاویہ نے بتلایا کہ سلفِ صالحین علمِ کلام کو ناپسندیدہ اور قابلِ مذمت سمجھتے تھے جس کی وجہ یہ ہے کہ علمِ کلام ایسے امور پر مشتمل ہے جو جھوٹ اور مخالفتِ حق پر مبنی ہیں، ان کے یہ امور کتاب وسنت اور ان کے اندر موجود علومِ صحیحہ کے مخالف ہیں۔ اہلِ کلام ان امور کے حصول کیلئے انتہائی سخت اور دشوار گذار راستوں پر چلتے رہے، پھر ان امور، جن کا نفع انتہائی کم ہے کے اثبات کیلئے طویل اور بے مقصد گفتگو کرتے اور لکھتے رہے۔ اب ان کا فلسفہ دبلے پتلے اونٹ کے اس گوشت کی مانند ہے جو پہاڑ کی ایسی چوٹی پر پڑا ہوا ہے جس کا راستہ انتہائی مشکل اور دشوار ہے،

نہ تو راستہ آسان ہے کہ چوٹی تک بآسانی پہنچا جا سکے نہ اونٹ اتنا فربہ ہے کہ اس کے گوشت کے لانے کا کوئی فائدہ ہو۔

اہلِ کلام کے پاس جو چیز سب سے اچھی قرار دی جا سکتی ہے، وہی چیز قرآن پاک میں اس سے کہیں بہتر اور خوبصورت تقریر وتفسیر کے ساتھ موجود ہے۔

شارحِ طحاویہ مزید فرماتے ہیں: یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے بابرکت کلام سے تو شفاء، ہدایت اور علم ویقین حاصل نہ ہو، مگر ان لوگوں کی تحریروں سے حاصل ہو جائے جو خود بھی حیران وپریشانی کے اتھاہ سمندر میں ہچکولے کھا رہے ہیں۔ سنو! ہمارا سب کا فرضِ منصبی یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے فرامین کو اصل قرار دے دیں، ان کے معانی پر تدبر وتعقل کریں، ہر شرعی مسئلے کی برہان اور دلیل خواہ عقلِ سلیم سے حاصل ہو یا ایسی نقل سے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی خبر سے ہو اچھی طرح پہچان لیں، پھر اس دلیل کی صحیح دلالت جان لینے کے بعد، لوگوں کے اقوال، جو اس دلیل کے موافق بھی ہو سکتے ہیں اور مخالف بھی، کو اس دلیل پر پیش کیا جائے، اگر ان کی بات رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ خبر کے موافق ہو تو قبول کر لی جائے، مخالف ہے تو رد کر دی جائے۔

شارحِ طحاویہ (ص ۲۴۲) میں مزید فرماتے ہیں: ابن رشد الحفید، جو کہ فلاسفہ کے مذہب ومقالات کو سب سے بڑھ کر جاننے والا تھا اپنی کتاب "تہافت التہافت" میں لکھتا ہے: (فلاسفہ ومتکلمین میں سے) کسی نے الٰہیات (عقائد) کے بارہ میں کوئی قابلِ اعتبار بات لکھی ہے؟ اسی طرح آمدی جو اپنے دور کی بڑی شخصیت شمار ہوتا تھا بڑے بڑے مسائل میں مجسمۂ حیرت بنے کھڑا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ، ساری عمر فلسفہ وکلام میں منسلک رہنے کے بعد آخری عمر میں بہت سے مسائلِ کلامیہ میں توقف وتحیر کی تصویر بنے دکھائی دیتے اور بالآخر ان طرق سے تائب ہو کر رسول اللہ ﷺ کی احادیث پر ہمہ تن متوجہ ہو گئے اور پھر اسی سلسلۂ مبارکہ میں تا حیات

مشتغل رہے حتی کہ انتقال کے وقت بھی صحیح بخاری ان کے سینے پر تھی۔

اسی طرح امام ابوعبداللہ محمد بن عمر الرازی اپنی اقسام اللذات کے موضوع پر تحریر کردہ کتاب میں یہ اشعار لکھنے پر مجبور ہوئے:

ترجمہ: (۱) عقلوں کے ہر اقدام کی انتہاء حیرت اور بندش ہے جبکہ عقلوں کی بنیاد پر دنیا والوں کی ہر کوشش ناکام و نامراد اور گمراہی ہے۔

(۲) ہماری روحیں ہمارے جسموں سے متوحش و نامانوس ہیں، اور ہماری دنیا کا حاصل محض اذیت ووبال ہے۔

(۳) پوری عمر لمبی لمبی بحثوں سے ہمیں سوائے قیل وقال جمع کرنے کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔

(۴) ہم نے کتنی سلطنتیں اور انکے سربراہ دیکھے مگر سب بڑی تیزی سے ہلاکت کا شکار ہو کر گزر گئے۔

(۵) کتنے ہی پہاڑ دیکھے جن کی چوٹیوں کو لوگوں نے سر کیا، اب ان میں سے کوئی نہیں بچا، جبکہ پہاڑ اپنی جگہ اسی طرح قائم ہیں۔

امام رازی مزید فرماتے ہیں: میں نے علم کلام کے طرق اور فلسفی منہج پر بڑا غور وخوض کیا ہوا ہے، لیکن ان میں کسی بیمار کے علاج یا کسی پیاسے کی سیرابی کی کوئی صلاحیت نہیں ہے، مکمل طور پر درست راستہ وہی ہے جو قرآنِ مجید نے پیش کر دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے اثبات میں اللہ تعالیٰ کے یہ فرامین پڑھو !:

﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ (طٰہٰ:۵) ترجمہ: ”جو رحمٰن ہے عرش پر قائم ہے“

﴿ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ ﴾ (فاطر:۱۰)

ترجمہ: ”تمام ترستھرے کلمات اسکی طرف چڑھتے ہیں“

جبکہ نفی (صفاتِ نقص) کیلئے ان فرامین کو پڑھو!

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾ (الشوریٰ:11) "اس کے مثل کوئی چیز نہیں"

﴿ وَلَا يُحِيطُونَ بِهٖ عِلْمًا ﴾ (طہ:110) ترجمہ: "مخلوق کا علم اس پر حاوی نہیں ہو سکتا"

آخر میں فرماتے ہیں: میری طرح کا تجربہ جو شخص بھی کرے گا وہ بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے گا جس پر میں پہنچا ہوں (لہذا ان تخرصات میں وقت ضائع کرنے کی بجائے براہ راست کتاب وسنت کو دل وجان کی بہار و قرار بنالو)

شیخ ابوعبداللہ محمد بن عبدالکریم الشہرستانی فرماتے ہیں کہ انہوں نے فلاسفہ و متکلمین کے پاس حیرت وندامت کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ ان کے دو شعر ملاحظہ کیجئے:

لعمري لقد طفت المعاهد كلها	وسيرت طرفي بين تلك المعالم
فلم أر الا واضعا كف حائر	على ذقن أو قارعا سن نادم

ترجمہ: قسم ہے! میں فلسفہ وکلام کے تمام مدارس کی خاک چھان چکا ہوں، مجھے یہاں پر ہر شخص حیرت وندامت کے بوجھ تلے دبے اپنی ٹھوڑی پہ ہاتھ رکھا دکھائی دیا۔

ابوالمعالی الجوینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دوستو! علم کلام سے کسی قسم کا تعلق جوڑنے کی کوشش نہ کرنا، اس علم کلام نے مجھے جس مقام پر لا کھڑا کیا ہے اگر مجھے پہلے سے اندازہ ہوتا تو میں ہرگز اس کے ساتھ منسلک نہ ہوتا۔

موت کے وقت فرمایا: میں بڑے تاریک وعمیق سمندر میں داخل ہو گیا اور مسلمانوں اور ان کے پاکیزہ کلام سے پہلوتہی برتتے ہوئے ایک ایسی وادی میں داخل ہو گیا جس سے مجھے وہ روکتے رہے، اور اب اگر جوینی کے بیٹے کو پروردگار کی رحمت حاصل نہ ہوئی تو لمبی بربادی کے سوا کچھ نہیں...... اور اب میں اپنی موت کے وقت یہ اعلان کر رہا ہوں کہ میں اپنی والدہ کے عقیدے پر ہوں، یا یوں کہا: میں نیسا پور کی بوڑھوں کے سیدھے سادھے عقیدے پر ہوں۔

شمس الدین خسروشاہی جن کا فخر الدین رازی کے انتہائی خاص شاگردوں میں شمار ہوتا ہے، اپنے ایک دوست سے ملاقات کیلئے گئے، ان سے پوچھا: تمہارا عقیدہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: جو تمام مسلمانوں کا ہے، پوچھا: تمہیں اس عقیدے پر دل کا پورا انشراح اور یقین حاصل ہے؟ دوست نے کہا: بالکل۔ کہا: اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ، اللہ کی قسم! میرا حال یہ ہو چکا ہے کہ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ کیا عقیدہ اپناؤں! اللہ کی قسم مجھے سمجھ نہیں آرہی کیا عقیدہ اپناؤں، اللہ کی قسم مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ کیا عقیدہ اپناؤں! پھر اس قدر روئے کہ پوری داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی۔

ابن ابی حدید الفاضل، جو عراق میں اس مکتب سے تعلق کی شہرت رکھتے ہیں فرماتے ہیں:

فیک یا أغلوطة الفکر	حار أمری وانقضی عمری
سافرت فیک العقول فما	ربحت الا أذی السفر
فلحی اللہ الألی زعموا	انک المعروف بالنظر
کذبوا ان الذی ذکروا	خارج عن قوة البشر

ترجمہ: (۱) اے کج فکری (فلسفہ وکلام) تجھ سے تعلق میں پوری عمر کٹ گئی اور حیرت کے سوا کچھ نہ پایا۔

(۲) تیرے حصول کے خاطر عقلوں نے لمبے لمبے سفر کیے لیکن سفر کی تھکان واذیت کے سوا کچھ فائدہ نہ ہوا۔

(۳) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو برباد کردے جن کا خیال ہے کہ تو نظر واستدلال کا حق سکھاتی ہے۔

(۴) جنہوں نے یہ کہا جھوٹ کہا، یہ معاملہ تو انسانی طاقت سے باہر ہے (یہاں تو محض اللہ

تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے اخبار و فرامین کو قبول کرنا ہی موجب عافیت ہے)

خونجی نے اپنی موت کے وقت کہا: جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ما حصل یہ ہے کہ ہر ممکن، مرجح کی محتاج ہے...... پھر کہا: محتاج ہونا ایک سلبی وصف ہے...... گویا اب جبکہ میں موت کے منہ میں ہوں، علم و معرفت سے بالکل کورا ہوں۔

علمِ کلام کا ایک اور راہی کہتا ہے: میں اپنے بستر پر لیٹتا ہوں اور لحاف اپنے منہ پر رکھ لیتا ہوں اور مختلف متکلمین کے دلائل میں مقارنہ و مقابلہ شروع کرتا ہوں، فجر طلوع ہو جاتی ہے اور میں کسی نتیجے تک نہیں پہنچ پاتا۔

(شارحِ طحاویہ مزید فرماتے ہیں) اب فلاسفہ و متکلمین کو دیکھو کہ اس قوم کا ایک شخص اپنی موت کے وقت نیسا پور کے بوڑھیوں کے مذہب اور عقیدے کو اپنانے کا اعلان کر رہا ہے، گویا وہ موشگافیاں جنہیں "دقائقِ علم" کا نام دیا جاتا تھا، جو بوڑھیوں کے عقیدے کے سراسر خلاف تھیں اور بحث و تمحیص کے بعد جنکی صحت کا قطعی فیصلہ کر لیا جاتا لیکن پھر ان کا فاسد ہونا ثابت ہو جاتا، یا ان کا صحیح ہونا کبھی ثابت نہ ہو پاتا، آج ان سب کو ٹھکرا چکے ہیں، اور اس عذاب سے بچ نکل کر کس مقام پر کھڑے ہیں؟ ایسے مقام پر جہاں سچے اہل علم کے پیروکار چھوٹے چھوٹے بچے، عورتیں اور اعرابی پہلے سے موجود ہیں۔ (گویا فلسفہ و کلام کی انتہاء جس مقام پر ہو رہی ہے وہاں سے خالص عقیدۂ شرعیہ کی ابتداء ہو رہی ہے)

امام الحرمین کے والد، ابو محمد الجوینی (علمِ کلام سے اشتغال کی بناء پر) اللہ عزوجل کی صفات کے بارہ میں ایک عرصہ حیرت و اضطراب کا شکار رہے پھر بالآخر سلفِ صالحین کا مذہب اپنا لیا اور اس تعلق سے اپنے اشعری اساتذہ کو خیر خواہی کا خط بھی لکھا جو "مجموعة الرسائل المنيرية" (۱/۱۷۴، ۱۸۷) میں شائع ہو چکا ہے۔

الفائدة الثامنة

هل صحيح أن أكثر المسلمين في هذا العصر أشاعرة؟

آٹھواں فائدہ:

کیا یہ بات درست ہے کہ آج مسلمانوں کی اکثریت اشعری مذہب پر قائم ہے؟

واضح ہو کہ اشعری مذہب کے حاملین، ابوالحسن اشعری کی طرف منسوب ہیں، جن کا نام علی بن اسماعیل تھا، جن کا ۳۳۰ھ میں انتقال ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ

عقیدہ کے سلسلہ میں ان پر تین دور آئے۔

پہلا دور وہ جس میں وہ عقیدۂ معتزلہ کے مذہب پر تھے۔ دوسرا دور وہ شمار ہوتا ہے جس میں وہ معتزلہ اور اھل السنۃ کے مذہب کے بین بین عقیدہ رکھتے تھے۔ تیسرا اور آخری دور وہ شمار ہوتا ہے جس میں وہ اہل السنۃ سلفِ صالحین کے عقیدۂ صافیہ کو اختیار کر لیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب ''الابـانۃ'' جو ان کی آخری کتاب شمار ہوتی ہے اور اگر بالکل آخری نہیں تو کم از کم آخری کتابوں کی فہرست میں ضرور ہے، میں صراحت سے لکھا ہے کہ وہ عقیدہ میں امام اھل السنۃ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب پر ہیں، جو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کیلئے نیز رسول اللہ ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے جو اسماء وصفات ثابت کی ہیں ان تمام کو اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے بالکل ویسے ثابت کیا جائے جیسے اس ذات کے لائق ہیں...... بغیر کسی تکییف یا تمثیل کے اور بغیر کسی تحریف وتاویل کے...... جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (الشوریٰ:11)

ترجمہ: ''اس کے مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے''

اب امام ابوالحسن الاشعری تو اپنے سابقہ عقیدے سے رجوع کر کے عقیدۂ اھل السنۃ والجماعۃ

اختیار کر چکے، مگر اشاعرہ ان کے اسی سابقہ عقیدے کو تھامے ہوئے ہیں۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی تمام جماعتوں میں اشاعرہ کی تعداد ٪۹۵ ہے...... لیکن یہ بات درست نہیں، اور اس کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ اس طرح کے اعداد و شمار کا تعین ایک انتہائی دقیق قسم کے احصائیہ کی متقاضی ہے، اور ایسا بالکل نہیں ہو سکا، اور معاملہ خالی دعویٰ کی حد تک ہے۔

(۲) ٪۹۵ فیصد تعداد کی اس نسبت کو اگر تسلیم بھی کر لیں تو یہ مذہب اشاعرہ کے حق ہونے کی دلیل نہیں ہوگی؛ کیونکہ عقیدہ کی صحت وسلامتی کی دلیل کثرتِ تعداد نہیں ہوتی، بلکہ صحت وسلامتی عقیدہ کی دلیل تو اس امت کے سلفِ صالحین یعنی صحابہ کرام اور ان کے پاکیزہ ومبارک منہج کی اتباع ہے۔ پھر سوچنے کی بات ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں فوت ہونے والے شخص کا عقیدہ، جس سے وہ رجوع بھی کر چکا ہے کیسے قابلِ اتباع ہو سکتا ہے؟ اور عقیدے کا معاملہ تو دین میں سب سے اہم ہے، پھر اس انتہائی اہم معاملہ میں حق صحابہ کرام، تابعینِ عظام وتبع تابعین سے کیسے مخفی ومحجوب رہا اور ایک ایسی شخصیت پر ظاہر ہو گیا جس کی ولادت بھی خیر القرون کے گزرنے کے لمبے عرصے بعد ہوئی! اس بات میں کوئی معقولیت ہے!

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ اشاعرہ کا مذہب تو وہ لوگ اختیار کیئے ہوئے ہیں جنھوں نے یہ عقیدہ اشاعرہ کے علمی مراکز میں یا پھر اشعری مذہب کے حامل مشائخ سے سیکھا، جبکہ عوام الناس اور جن کی تعداد بہت زیادہ ہے، اشعری مذہب کے بارہ میں کچھ نہیں جانتے، بلکہ وہ تو اس فطرت پر قائم ہیں جس پر اس لونڈی کا عقیدہ تھا، جو صحیح مسلم کی روایت میں ذکر ہو چکا اور الحمد للہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ فطرت کے عین مطابق ہے، اس کی کچھ وضاحت فائدہ نمبر ۳ میں ہو چکی ہے۔

الفائدة التاسعة

۱ عقيدة الأئمة الأربعة ومن تفقه بمذاهبهم .

نواں فائدة :

أئمہ اربعہ اوران کے مذاہب کے فقہاء کا عقیدہ

اھل السنۃ کے ائمہ میں سے امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اورامام احمد بن حنبل رحمھم اللہ کے (اسماءِ گرامی بطورِ خاص ذکر کیئے جاتے ہیں) ان تمام أئمہ کرام کا عقیدہ وہی تھا جو صحابہ کرام کا اوران کے منہج پر چلنے والے ان کے اتباع کا تھا۔

ان أئمہ کے بعد فقہ کی باگ ڈور سنبھالنے والے علماء وفقہاء کے مختلف ذہن سامنے آتے ہیں، کچھ وہ علماء ہیں جو فروعی مسائل میں ان أئمہ کے علم سے استفادہ تو کرتے ہیں لیکن ان کا اصل اعتماد دلیل پر ہوتا ہے، چنانچہ ان کے امام کا جو قول کتاب وسنت کے مطابق ہوتا ہے اسے لے لیتے اور جو قول کتاب وسنت کی دلیل کے خلاف ہوتا ہے اسے چھوڑ دینے کے منہج پر قائم ہیں، ان کا مستند یہ ہے کہ ہمارے اماموں نے یہی وصیت کی ہے (یعنی ہم کوئی بات کہیں اور کتاب وسنت کی دلیل اس کے خلاف ہوتو ہمارے قول کو دیوار سے دے مارو) ان فقہاءِ کرام نے عقیدہ کے مسائل میں بھی اپنے أئمہ کے منہج سے پوری پوری موافقت کی ...... کچھ ایسے حضرات بھی آئے جنہوں نے فروعی مسائل میں اپنے اماموں کی پوری طرح تقلید کی اوران مسائل کے سلسلہ میں قولِ راجح اوراس کی دلیل معلوم کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

اس طبقہ کے علماء وفقہاء میں سے گو بعض علماء نے عقیدہ کے مسائل میں بھی اپنے اماموں کی اتباع کی لیکن بہت سے علماء نے ان مسائل میں اشعری مذہب کی اتباع کرلی (یعنی فروعی مسائل میں اپنے امام کی تقلید میں اتنی شدت کہ گویا وہ معصوم ہیں، بلکہ بعض اوقات انکے قول کو قبول کرلیا اوراس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کے فرمان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسے

ٹھکرادیا اور پسِ پشت ڈال دیا، لیکن جب اعتقادی مسائل کا معاملہ آیا جو فروعی مسائل سے کہیں اہم ہیں تو ان میں اپنے اس امام کو بھی چھوڑ دیا اور اشاعرہ کے مذہب سے منسلک ہوگئے۔)

پہلی قسم میں ہم مثال کے طور پر امام ابوجعفر الطحاوی کا نام پیش کرتے ہیں، جن کا تفقہ تو مذہبِ حنفی پر ہے لیکن عقیدۂ کے اعتبار سے سلفِ صالحین صحابہ کرام کے منہج پر قائم ہیں، چنانچہ انہوں نے ''العقیدۃ الطحاویۃ'' کے نام سے اھل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ پر مشتمل کتاب بھی لکھی ہے، اسی طرح اس کتاب کے شارح علی بن ابی العز الحنفی کا نام بھی بطورِ مثال پیش کیا جاسکتا ہے، جو فقہی اعتبار سے حنفی تھے لیکن عقیدۃً سلفی تھے۔

مذہبِ شافعی میں عبدالرحمٰن بن اسماعیل الصابونی صاحبِ کتاب ''عقیدۃ السلف واصحاب الحدیث''، امام ذہبی صاحبِ کتاب ''العلو'' اور ابن کثیر صاحبِ تفسیر کا نام بطورِ مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔

مذہبِ مالکی میں ابن ابی زید القیروانی، ابوعمر الطلمنکی اور ابوعمر بن عبدالبر کے نام، جبکہ مذہبِ حنبلی میں امام ابن تیمیہ، امام ابن القیم اور امام محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ کے نام پیش کیئے جاسکتے ہیں۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الصواعق المرسلۃ علی الجھمیۃ والمعطلۃ'' میں ان لوگوں کے رد میں جو اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کے عقیدہ میں استواء کا معنی استیلاء کرتے ہیں (۴۲) وجوہات ذکر فرمائی ہیں (''مختصر الصواعق المرسلۃ'' لابن الموصلی بھی ملاحظہ کرلیجئے)

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ بہت سے مالکی علماء عقیدہ میں مذہبِ سلف پر قائم تھے، چنانچہ کتابِ مذکور میں ان ۴۲ وجوہات کے ذکر کے ضمن میں فرماتے ہیں (۱۳۲/۲، ۱۳۶)

بارہویں وجہ : سلفِ امت کا اس بات پر اجماع قائم ہے کہ اللہ رب العزت اپنے عرش پر حقیقۃً مستوی ہے نہ کہ مجازاً۔ امام ابوعمر الطلمنکی جو مالکی مذہب کے ائمہ میں سے ہیں اور

حافظ ابو عمر ابن عبدالبر کے شیخ ہیں اپنی عظیم الشان کتاب ''الوصول الی معرفۃ الأصول'' میں فرماتے ہیں: اھل السنۃ کا اس عقیدہ پر اجماع قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر مجازاً نہیں بلکہ حقیقۃً مستوی ہے...... اس بات پر انہوں نے اپنی کتاب میں صحابہ کرام، تابعینِ عظام اور تبع تابعین اور پھر امام مالک اور ان کے بہت سے اصحاب وتلامذہ کے اقوال پیش کیئے ہیں، جو شخص بھی ان اقوال کو پڑھے گا وہ مذہب سلف کی حقیقت پالے گا۔

تیرھویں وجہ: امام ابو عمر ابن عبدالبر اپنی کتاب ''التمھید'' میں حدیثِ نزول کی شرح میں فرماتے ہیں: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ساتویں آسمان کے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے ''الجماعۃ'' کا یہی قول اور تقریر ہے...... مزید فرماتے ہیں: اھل السنۃ، قرآن وحدیث میں وارد اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کے اقرار پر متفق ہیں نیز ان صفات پر ایمان لانے، اور انہیں ان کی حقیقت پر محمول کرنے (نہ کہ مجاز پر) پر متفق ہیں، البتہ وہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی تکییف یا تحدید کے قائل نہیں ہیں۔ جبکہ بدعتی گروہ مثلاً: جہمیہ، معتزلہ اور خوارج سب کے سب صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو حقیقت پر محمول نہیں کرتے، بلکہ ان صفات کا اقرار کرنے والے کو مشبہ ہونے کا الزام دیتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ خود صفاتِ باری تعالیٰ کا اقرار کرنے والے اھل السنۃ کے نزدیک معبودِ حق کی نفی وانکار کرنے والے قرار پاتے ہیں۔

ابو عبداللہ القرطبی اپنی معرکۃ الآراء تفسیر میں قولہ تعالیٰ: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں فقہاء نے کلام کیا ہے۔ اس کے بعد متکلمین کے اقوال نقل فرماتے ہیں۔ پھر فرمایا: سلفِ امت کی پہلی جماعت (صحابۂ کرام) اللہ تعالیٰ کی جہت کی نفی کے قائل نہیں تھے (جہتِ علو مراد ہے) نہ ہی انہوں نے کبھی نفی جہت کی بات کی...... بلکہ ان تمام نے اللہ تعالیٰ کیلئے جہت کے ثابت ہونے کی بات کی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی

کتاب میں ذکر فرمایا، اور جس کی اللہ تعالیٰ کے رسل نے بھی خبر دی۔ اور سلفِ صالحین میں بھی اس بات کا کوئی منکر نہیں کہ اللہ تعالیٰ علی سبیل الحقیقۃ اپنے عرش پر مستوی ہے......بس وہ جس چیز سے نا آشنا تھے وہ استواء علی العرش کی کیفیت ہے، جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے، لیکن مستوی ہونے کی کیفیت نامعلوم ہے۔

چودھویں وجہ : جب جہمیہ نے اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کو مجاز پر محمول کیا، تو اھل السنۃ نے ببانگِ دہل اس حقیقت کا اعلان واظہار کیا کہ اللہ رب العزت اپنی ذات کے ساتھ اپنے عرش پر مستوی ہے، اور سب سے زیادہ شد ومد کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرنے والے علماءِ مالکیہ تھے، چنانچہ علماءِ مالکیہ میں سے ابومحمد بن ابی زید نے اپنی تین کتابوں میں اس مسئلہ کی صراحت کی۔ سب سے مشہور کتاب ''الرسالۃ'' ہے پھر ان کی کتاب ''جامع النوادر'' اور ''الآداب'' ہیں، اگر کوئی دیکھنا چاہے تو ان کی یہ کتب موجود ہیں۔ نیز قاضی عبدالوہاب نے بھی اس حقیقتِ باصواب کی وضاحت کی، وہ فرماتے ہیں......اللہ تعالیٰ بذاتہ اپنے عرش پر مستوی ہے...... نیز قاضی ابوبکر الباقلانی جو مالکی المذہب تھے نے بھی اس حقیقت کو واضح فرمایا، ان کا قول قاضی عبدالوہاب نے نصاً نقل فرمایا ہے، نیز مالکی مذہب کے بہت بڑے امام ابوعبداللہ القرطبی اپنی کتاب ''شرح اسماء اللہ الحسنی'' میں اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ابوبکر الحضرمی نے محمد بن جریر الطبری، ابومحمد بن ابی زید اور فقہ وحدیث کے بہت سے شیوخ کا یہی قول نقل فرمایا ہے، جبکہ قاضی عبدالوہاب نے قاضی ابوبکر اور ابوالحسن الأشعری سے جو کچھ بھی نقل فرمایا اس کا ظاہر بھی یہی ہے، بلکہ قاضی عبدالوہاب نے قاضی ابوبکر کا یہ قول نصاً ذکر کیا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ اپنے عرش پر مستوی ہے'' اور بعض جگہ یہ بھی لکھا ہے: کہ ''وہ ذاتِ حق اپنی پوری خلق کے اوپر ہے۔''

پھر فرمایا: یہ قول قاضی ابوبکر کا ''تمہید الأوائل'' میں ہے اور یہی قول ابوعمر بن عبدالبر اور

الطلمنکی ودیگر اندلسی (مالکی) علماء کا ہے اور یہی خطابی کا قول ہے۔

۱ ابوبکر محمد بن موھب المالکی رسالۂ ابن ابی زید کی شرح میں فرماتے ہیں: مؤلف (یعنی ابن ابی زید) کا یہ فرمانا کہ ''انہ فوق عرشہ المجید ''یعنی'' اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ اپنے عرش عظیم پر ہے''، تو واضح ہو کہ ''فوق'' اور ''علی'' کا تمام عرب کے نزدیک ایک ہی معنی ہے، اور کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ میں بھی اس معنی کی تصدیق موجود ہے، پھر بطورِ تمثیل کتاب وسنت کے بعض نصوص کا حوالہ دیا، نیز لونڈی کی حدیث سے بھی استدلال کیا، جس سے نبی ﷺ نے پوچھا تھا [این اللہ؟] اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: [فی السماء] آسمان پر ہے، اس بات پر نبی ﷺ نے اس لونڈی کے مؤمنہ ہونے کی گواہی دی۔ اس کے بعد انہوں نے نبی ﷺ کے معراج پر جانے کی حدیث سے بھی استدلال کیا۔ پھر فرمایا: یہی قول امام مالک کا ہے جسے انہوں نے تابعین کی ایک جماعت سے سمجھا، جسے تابعین نے صحابہ کرام سے سمجھا، اور جسے صحابہ کرام نے اپنے نبی ﷺ سے سمجھا، یعنی اللہ تعالیٰ کے ''فی السماء'' آسمانوں میں ہونے کا معنی آسمان کے اوپر ہونا ہے...... شیخ ابو محمد فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ بذاتہ اپنے عرش پر ہے'' اس قول سے واضح ہوا کہ اللہ رب العزت کا عرش کے اوپر ہونے کا معنی یہی ہے کہ وہ بذاتہ عرش پر ہے البتہ وہ اپنی خلق سے بالکل بائن (جدا) ہے جس کی کیفیت ہم نہیں جانتے۔ اور اس کا کائنات میں ہر مقام پر ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے علم کے ساتھ ہر مقام پر ہے نہ کہ اپنی ذات کے ساتھ، پھر یہ جگہیں اور مقامات اسے گھیر بھی نہیں سکتیں کیونکہ وہ سب سے بڑا ہے۔

ابوبکر محمد بن موھب المالکی مزید فرماتے ہیں: مؤلف رحمہ اللہ کا فرمانا: ''علی العرش استوی ''یعنی'' وہ عرش پر مستوی ہے'' کا معنی اہل السنۃ کے نزدیک محض استیلاء یعنی غلبہ پانا یا قاہر و مالک ہونا نہیں ہے، یہ تو معتزلہ اور ان کے ہمنواؤں کی تفسیر ہے، اور بعض لوگ استواء مانتے ہیں لیکن علی سبیل المجاز نہ کہ علی سبیل الحقیقۃ۔ پھر فرماتے ہیں: تھوڑی سے عقل وبصیرت رکھنے والا

شخص بھی ان کے استواء علی العرش کا استیلاء وغلبہ کے معنی کے فساد کو سمجھ سکتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اپنی پوری مخلوق پر غالب ومستوی ہے، پھر خاص طور پر عرش پر غالب ہونے کا کیا معنی؟ اگر استواء علی العرش کا معنی صرف غلبہ اور استیلاء ہے تو پھر عرش وغیر عرش برابر ہوں گے۔ چنانچہ استواء علی العرش جو ان کی تاویل فاسد میں استیلاء، ملک، غلبہ اور قہر کے معنی میں ہے کے ذکر کا کوئی معنی نہیں بنتا (کیونکہ استیلاء، غلبہ، قہر اور ملک تو اس ذاتِ برحق کو اپنی پوری مخلوقات پر حاصل ہے) اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا ﴾ ترجمہ: (بات میں اللہ تعالیٰ سے سچا کون ہوسکتا ہے؟) پر بھی اگر غور کریں تو یہ بات آشکارا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا برسبیلِ حقیقت ہے، مجاز نہیں۔ چنانچہ بنظرِ انصاف دیکھنے والے سوچتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کے ذکر کے بعد فرمایا کہ وہ عرش پر مستوی ہوگیا، تو اگر مستوی ہونے کا معنی غلبہ حاصل کرنا ہے تو کیا اسے آسمانوں اور زمینوں کا غلبہ حاصل نہیں ہے! پھر استواء علی العرش کی تخصیص چہ معنی دارد؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان سب سے سچا ہے، لہٰذا ہم اس کے مستوی علی العرش ہونے کو مجاز پر نہیں بلکہ حقیقت پر محمول کرتے ہیں، البتہ استواء کی تکییف اور تمثیل سے توقف اختیار کرتے ہیں، یعنی نہ تو اس ذاتِ حق کے استواء کی کیفیت بیان کرسکتے ہیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ نے بیان ہی نہیں فرمائی، اور نہ ہی حق تعالیٰ کے استواء کو کسی مخلوق کے استواء سے تشبیہ دیتے ہیں کیونکہ اس کا فرمان ہے: ''اس جیسی کوئی چیز نہیں''

پندرہویں وجہ: ابوالحسن الأشعری نے خود استواء کے بمعنی استیلاء ہونے کے باطل ہونے پر اہل السنہ کا اجماع نقل کیا ہے، ہم بعینہ انہی کی عبارت تحریر کیئے دیتے ہیں جسے ابوالقاسم بن عساکر نے اپنی کتاب ''تبیین کذب المفتری'' میں ان کے حوالے سے بیان کیا ہے، بلکہ ان سے قبل ابوبکر بن فورک بھی ان سے اسی عبارت کو نقل کرچکے ہیں جو کہ ان کی کتب میں موجود ہے، فرماتے ہیں کہ ابوالحسن الأشعری اپنی کتاب ''الابانۃ'' جو کہ ان کی آخری کتاب ہے

میں فرماتے ہیں: "باب ذکر الاستواء" یعنی اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کا بیان (اس باب کے تحت لکھتے ہیں) اگر کوئی شخص پوچھے کہ اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کے باب میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ ہم کہیں گے: بالکل وہی جو قرآنِ مجید نے بیان کر دیا ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ کہ "وہ رحمٰن اپنے عرش پر مستوی ہے" (اس کے بعد استواء علی العرش کے مزید ادلہ بیان کیں)

پھر فرمایا: معتزلہ، جہمیہ اور خوارج کہتے ہیں کہ استواء سے مراد استیلاء یعنی غلبہ پانا اور مالک ہونا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کو تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ اہلِ حق تسلیم کرتے ہیں، لہذا استواء علی العرش کا معنی عرش پر قدرت پانا کرتے ہیں۔ اگر یہ بات درست مان لیں تو پھر عرش اور سب سے نچلی ساتویں زمین میں کیا فرق ہے؟ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے اور آسمان، زمین اور ہر چیز اس عالَم کا حصہ ہیں۔ تو اگر اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا معنی غلبہ اور قدرت پانے کا ہے، تو پھر اسے زمین اور زمین پر موجود ہر گندگی کے ڈھیر پر بھی مستوی مان لو، کیونکہ قدرت تو اسے ہر چیز پر حاصل ہے، کیا کسی مسلمان کو کسی نے یہ کہتے ہوئے کبھی سنا کہ اللہ تعالیٰ حشوش واخلیہ (یعنی بیت الخلاء اور گندگی کے ڈھیروں) پر مستوی ہے؟ تو پھر استواء علی العرش جو کہ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص صفت ہے اسے ایک ایسے معنی پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے جو معنی ہر چیز میں عمومیت کے ساتھ موجود ہے؟

لہذا یہ بات حتمیت کے ساتھ متعین ہو گئی کہ اس ذاتِ حق کے عرش پر مستوی ہونے کا ایک خاص معنی ہے جو دیگر کسی شی میں نہیں پایا جاتا۔

الفائدة العاشرة

التأليف في العقيدة على منهج السلف.

دسواں فائدة:

عقیدے کے موضوع پر سلفی منہج کے مطابق تصنیف کردہ کتب کا بیان

عقیدہ کے موضوع پر سلفی منہج کی حامل بے شمار کتب ہیں کچھ مؤلفات تو مستقل ہیں جو بطور خاص عقیدے کے موضوع پر لکھی گئیں، جبکہ کچھ کتب ایسی ہیں جو عقائد کے ساتھ ساتھ دیگر مسائل پر بھی مشتمل ہیں، جو کتب عقائد کے ساتھ ساتھ دیگر مسائل پر بھی مشتمل ہیں ان میں ہم بطور مثال: صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ ذکر کرتے ہیں۔

صحیح بخاری کا پہلا عنوان کتاب الایمان ہے اور آخری کتاب التوحید ہے، اثناءِ کتاب میں عقیدے کے تعلق سے اور عنوانات بھی ہیں مثلاً: كتاب القدر، كتاب الانبياء اور كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة وغیرہ۔

صحیح مسلم کا بھی پہلا عنوان کتاب الایمان ہے نیز کتاب القدر کا عنوان بھی موجود ہے، اسی طرح سننِ اربعہ میں بھی عقیدہ کے تعلق سے کتاب الایمان کے نام سے عنوانات موجود ہے، جبکہ سنن ابوداؤد میں اس حوالہ سے کتاب السنۃ کے نام سے عنوان قائم کیا گیا ہے......

جو کتب کاملاً و مستقلاً عقیدہ کے موضوع پر تالیف کی گئیں ان کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ کتب جو متقدمین کے طریقہ پر ہیں اور دوسری وہ کتب جو متاخرین کے طرزِ تالیف پر مشتمل ہیں۔

متقدمین کے طرز پر لکھی گئی کتب سے مراد وہ کتب ہیں جو موضوع سے متعلق احادیث و آثار سند کے ساتھ پیش کر دیتی ہیں، متقدمین میں عقیدے سے متعلق لکھی گئی کتب کئی ناموں سے سامنے آتی ہیں، مثلاً: "كتاب الايمان"، "كتاب السنة"، "كتاب الرد على

الجہمیۃ" وغیرہ۔

کتاب "الایمان" کے نام سے لکھی گئی کتب میں "الایمان لأبی بکر ابن أبی شیبۃ"، اور "الایمان لابی عبید القاسم بن سلام" اور "الایمان لابن ابی عمر العدنی" اور "الایمان لابن مندہ" وغیرہ معروف نام ہیں۔

جبکہ "السنۃ" کے نام سے عقیدہ کے موضوع پر لکھنے والوں میں محمد بن نصر المروزی، ابی عاصم، عبداللہ بن امام احمد، لالکائی، خلال اور ابن شاہین وغیرہ معروف ہیں، اس کے علاوہ ابن ابی زمنین نے "اصول السنۃ" لکھی، مزنی اور بربہاری نے "شرح السنۃ" جبکہ ابن البنا نے "المختار فی اصول السنۃ" کے نام سے کتاب لکھی۔

"الرد علی الجہمیۃ" کے نام سے امام احمد، عثمان بن سعید الدارمی اور ابن مندہ کی کتب موجود ہیں۔

عقیدے کے موضوع پر علماءِ متقدمین کی دیگر ناموں سے بہت سی کتب موجود ہیں، مثلاً: حافظ ابن خزیمہ کی "کتاب التوحید"، اور ابن مندہ کی "کتاب التوحید"، آجری کی کتاب "الشریعۃ"، اسماعیل الاصبہانی کی "الحجۃ فی بیان المحجۃ"، صابونی کی "عقیدۃ السلف واصحاب الحدیث" امام بخاری کی "خلق افعال العباد"، ابن ابی شیبہ کی کتاب "العرش"، فریابی کی کتاب "القدر"، ابوالشیخ کی کتاب "العظمۃ"، امام دارقطنی کی کتاب "الرؤیۃ"، "النزول" اور "الصفات"، محمد بن نصر المروزی کی "تعظیم قدر الصلاۃ"، ابوداود کی "البعث والنشور"، ابونعیم کی "صفۃ الجنۃ والنار" اور "الرد علی الرافضۃ"، ھروی کی "ذم الکلام وأھلہ" اور ابن بطہ کی "الابانۃ الکبری" وغیرہ۔

متقدمین ومتاخرین کی کچھ کتب ایسی بھی ہیں جو اسانید کو ذکر کیے بغیر انتہائی اختصار کے ساتھ عقیدہ کے مسائل بیان کرنے پر اکتفاء کرتی ہیں، ان میں امام احمد بن حنبل کی کتاب "السنۃ"،

امام طحاوی کی ”عقیدة أهل السنة والجماعة“، ابن ابی زید کا مقدمہ، ابن جریر الطبری کی ”صریح السنة“ ابوبکر اسماعیلی کی ”اعتقاد أهل السنة“ ابن بطہ کی ”الابانة الصغری“، ابوالحسن الأشعری کی ”الابانة“، عبدالغنی کی ”عقیدة الحافظ“ ابن قدامۃ المقدسی کی ”لمعة الاعتقاد“ اور ”العلو“، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی ”عقیدة الواسطیة“، ”التدمریة“ اور ”الحمویة“ معروف ہیں۔

متاخرین کے طریقہ پر تالیف سے مراد یہ ہے کہ ہر موضوع الگ سے قائم کر کے اس سے متعلق آیات، احادیث اور آثار ذکر کیئے جائیں اور ساتھ ساتھ مخالفین کے عقیدہ پر رد بھی کر دیا جائے، جب وہ احادیث وآثار کا ذکر کرتے ہیں تو انہیں متقدمین کی کتب کی طرف منسوب کرتے ہیں جو ہر حدیث کو اس کی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں مثلاً: یوں کہتے ہیں: رواہ البخاری، ومسلم، وابوداؤد اور حدیث کی سند ذکر نہیں کرتے (کیونکہ وہ اصل کتاب میں موجود ہوتی ہے)

مثال کے طور پر یحیی عمرانی کی کتاب ”الانتصار فی الرد علی المعتزلة القدریة الأشرار“ ابن ابی العز الحنفی کی کتاب ”شرح العقیدة الطحاویة“، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب ”منهاج السنة“ انہی کی ”درء تعارض العقل والنقل“ اور ”کتاب الایمان“، امام ذہبی کی کتاب ”العلو“، حافظ ابن القیم کی کتاب ”اجتماع الجیوش الاسلامیة“ اور ”الصواعق المرسلة علی الجهمیة والمعطلة“ اور محمد بن الموصلی کی کتاب ”مختصر الصواعق المرسلة“ اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی ”کتاب التوحید“ ان کے پوتے شیخ سلیمان بن عبداللہ کی کتاب ”تیسیر العزیز الحمید شرح کتاب التوحید“ اور ان کے دوسرے پوتے شیخ عبدالرحمن بن حسن کی کتاب ”فتح المجید“ وغیرہ۔ یہ چند کتابوں کے نام ہم نے محض تمثیلاً نقل کیئے ہیں، تمام کتب کا اس مختصر میں احاطہ ممکن نہیں ہے۔

واضح ہو کہ بعض مبتدعین نے کتبِ سنت پر یہ اعتراض وارد کیا ہے کہ ان کتابوں میں ضعیف بلکہ موضوع احادیث بھی ذکر کی گئی ہیں۔

یہ اعتراض مردود ہے، کیونکہ ان محدثین نے تمام احادیث ان کی اسانید کے ساتھ ذکر کی ہیں اسانید ذکر کر کے وہ بری الذمہ ہو گئے ،اب اس حدیث پر نظر و استدلال کی ذمہ داری پڑھنے پڑھانے والوں پر عائد ہوتی ہے۔

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے "منهاج السنة" (۱۵/۴) میں فرمایا ہے کہ محدثین کی یہ عادت ہے کہ وہ ہر باب میں وہ تمام احادیث ذکر کر دیتے ہیں جو ان کے پاس موجود ہوتی ہیں تا کہ ان تمام احادیث (اور ان کی اسانید) کی پڑھنے والوں کو معرفت حاصل ہو جائے، اور یہ ممکن ہے کہ ان میں سے ان کے نزدیک کچھ احادیث ہی قابلِ استدلال و احتجاج ہوں۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: ایک محدث کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ اپنے مشائخ سے جس حدیث کو سنتا ہے اسے اسی طرح بکمالِ امانت روایت کر دے، اب تحقیق ،نظر اور استدلال کی ذمہ داری تو پڑھنے والوں پر عائد ہوتی ہے...... اور اہلِ علم فعلاً تمام احایث کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں اور حدیث کی سند اور سند کے ایک ایک روای پر پوری بحث کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر "لسان الميزان" (۱۵/۳) میں فرماتے ہیں: گزشتہ ادوار میں سے ۲۰۰ ہجری اور اسکے بعد کے بیشتر محدثین کا طریقہ یہی ہے کہ جب وہ حدیث کو اس کی سند کے ساتھ ذکر کر دیں تو اپنے خیال میں وہ پوری امانت داری کے ساتھ اپنی ذمہ داری کا حق ادا کر کے بری الذمہ ہو چکے۔ (واللہ اعلم)

نص مقدمة رسالة ابن أبى زيد القيروانى

باب ما تنطق به الألسنة وتعتقده الأفئدة من واجب أمور الديانات

من ذلک الایمان با لقلب وا لنطق با للسان أن الله اله واحد لاإله غيره ، ولا شبيه له، ولا نظيرله ، ولا ولد له ، ولا والد له، ولا صاحبة له، ولاشريک له.

ليس لأوليته ابتداء ،ولا لآخريته انقضاء، لايبلغ كنه صفته الواصفون ، ولا يحيط بأمره المتفكرون، يعتبر المتفكرون بآياته ،ولا يتفكرون في ماهية ذاته، وَلَايُحِيطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ، وَلَايَؤُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ.

العالم الخبير، المدبر القدير، السميع البصير، العلى الكبير، وأنه فوق عرشه المجيدبذاته، وهو في كل مكان بعلمه.

خلق الانسان ويعلم ما توسوس به نفسه،وهوأقرب إليه من حبل الوريد،وماتسقط من ورقة إلايعلمها ☆ولاحبة في ظلمات الارض ولارطب ولايابس إلا في كتاب مبين .

على العرش استوى،وعلى الملک احتوى، وله الأسماء الحسنى والصفات العلى، لم يزل بجميع صفاته وأسمائه ،تعالىٰ ان تكون صفاته مخلوقة وأسمائه محدثة .

كلم موسى بكلامه الذى هو صفة ذاته لاخلق من خلقه، وتجلى للجبل فصار دكا من جلاله وان القرآن كلام الله ليس بمخلوق فيبيد ولاصفة لمخلوق فينفد .

والایمان بالقدر خیره وشره حلوه ومره، وكل ذلك قد قدر الله ربنا،

ومقادير الامور بيده ومصدرها عن قضائه .

علم كل شئ قبل كونه، فجرى على قدره لايكون من عباده قول ولاعمل

الا وقد قضاه وسبق علمه به ﴿ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴾ .

يضل من يشاء،فيخذله بعدله ، ويهدى من يشاء فيوفقه بفضله ،فكل ميسر

بتيسيره الى ماسبق من علمه وقدره،من شقى او سعيد .

تعالىٰ ان يكون فى ملكه مالايريد، أو يكون لاحد عنه غنى، خالقا لكل شئ،

ألا هورب العباد ورب اعمالهم ،والمقدر لحركاتهم وآجالهم.

الباعث الرسل إليهم لإقامة الحجة عليهم.

ثم ختم الرسالة والنذارة والنبوة بمحمد نبيه ﷺ ، فجعله آخر المرسلين،

بشيرا ونذيرا ،وداعيا إلى الله باذنه وسراجا منيرا ،وأنزل عليه كتابه الحكيم،

وشرح به دينه القويم ،وهدى به الصراط المستقيم.

وان الساعة اتية لاريب فيها وان الله يبعث من يموت كما بدأهم يعودون .

وان الله سبحانه وتعالىٰ ضاعف لعباده المؤمنين الحسنات، وصفح لهم

بالتوبة عن كبائر السيئات ،وغفر لهم الصغائر باجتناب الكبائر، وجعل من لم

يتب من الكبائر صائرا إلى مشيئته ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ

ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ ﴾.

ومن عاقبه الله بناره أخرجه منها بايمانه فأدخله به جنته ﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ

ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ ﴾ ويخرج منها بشفاعة النبى ﷺ من شفع له من اهل الكبائر من

امته .

وأن الله سبحانه قد خلق الجنة فأعدها دار خلود لاوليائه وأكرمهم فيها بالنظر إلى وجهه الكريم ، وهى التى أهبط منها آدم نبيه وخليفته إلى أرضه بماسبق فى سابق علمه .

وخلق النار فأعدها دار خلود لمن كفر به وألحد فى آياته وكتبه ورسله وجعلهم محجوبين عن رؤيته .

وأن الله تبارك وتعالى يجيء يوم القيامة والملك صفا صفاً، لعرض الأمم وحسابها وعقوبتها وثوابها ، وتوضع الموازين لوزن أعمال العباد، فمن ثقلت موازينه فأولئك هم المفلحون، ويؤتون صحائفهم بأعمالهم، فمن أوتى كتابه بيمينه فسوف يحاسب حسابا يسيرا ، ومن أوتى كتابه وراء ظهره فأولئك يصلون سعيرا .

وأن الصراط حق، يجوزه العباد بقدر أعمالهم ، فناجون متفاوتون فى سرعة النجاة عليه من نار جهنم ، وقوم أوبقتهم فيها أعمالهم.

والايمان بحوضِ رسول الله ﷺ ، ترده امته ، لايظمأ من شرب منه ، ويذاد عنه من بدل و غير .

وأن الايمان قول باللسان ، وإخلاص بالقلب، وعمل بالجوارح ،يزيد بزيادة الأعمال، وينقص بنقصها ، فيكون فيها النقص وبها الزيادة ، ولا يكمل قول الايمان إلا بالعمل ، ولاقول وعمل إلا بنية ، ولاقول وعمل ونية إلا بموافقة السنة .

وأنه لايكفر أحد بذنب من أهل القبلة .

وأن الشهداء أحياء عند ربهم يرزقون ، وأرواح أهل السعادة باقية ناعمة

إلى يوم يبعثون ،وأرواح أهل الشقاوة معذبة إلى يوم الدين.

وأن المؤمنين يفتنون في قبورهم ويسألون ، ﴿ يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ. ﴾

وأن على العباد حفظة يكتبون أعمالهم، ولا يسقط شيء من ذلك عن علم ربهم، وأن ملك الموت يقبض الأرواح بإذن ربه.

وأن خير القرون القرن الذين رأوا رسول الله ﷺ وآمنوا به، ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم.

وأفضل الصحابة الخلفاء الراشدون المهديون؛ أبوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي رضي الله عنهم أجمعين.

وأن لا يذكر أحد من صحابة الرسول ﷺ إلا بأحسن ذكر، والإمساك عما شجر بينهم، وأنهم أحق الناس أن يلتمس لهم أحسن المخارج ، ويظن بهم احسن المذاهب.

والطاعة لأئمة المسلمين من ولاة أمورهم وعلمائهم، واتباع السلف الصالح واقتفاء آثارهم، و الاستغفار لهم،وترك المراء والجدال في الدين، وترك ما احدثه المحدثون .

وصلى الله على سيدنا محمد نبيه، وعلى آله وأزواجه وذريته ،وسلم تسليما كثيرا.

متن کا ترجمہ

یہ باب دین کے ان مور کے بیان میں ہے جن کا اقرار تمام زبانوں پر، اور اعتقاد تمام دلوں پر فرض ہے۔

ان میں سے ایک چیز یہ ہے کہ دل کے ساتھ ایمان، اور زبان کے ساتھ اقرار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ: معبودِ حق ہے، اکیلا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شبیہ اور نظیر نہیں ہے، نہ ہی اس کی اولاد ہے نہ والد، نہ اس کی بیوی ہے اور نہ ہی کوئی شریک۔

اس کی اولیت کی کوئی ابتداء نہیں، اور اس کی آخریت کی کوئی انتہاء نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرنے والے اس کی کسی صفت کی ماہیت وکیفیت تک نہیں پہنچ سکتے اور تفکر کرنے والے اس کے کسی امر کا احاطہ نہیں کر سکتے، تفکر کرنے والے اس کی آیات سے نصیحت وعبرت اخذ کرتے ہیں لیکن اس کی ذات کی حقیقت وکیفیت پر غور وخوض اور بحث وتمحیص نہیں کرتے۔ وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے، مگر جتنا وہ چاہے، اس کی کرسی کی وسعت نے زمین وآسمان کو گھیر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت سے نہ تھکتا اور نہ اکتاتا ہے، وہ بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔

وہ عالم، خبیر، مدبر، قدیر، سمیع، بصیر، بلند اور بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ بذاتہ اپنے عرشِ عظیم پر ہے، جبکہ بعلمہ ہر جگہ موجود ہے۔

اس نے انسان کو پیدا کیا اور وہ انسان کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں انہیں بھی جانتا ہے اور وہ اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے، اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصے میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے، مگر یہ سب کتابِ مبین میں ہے۔

وہ عرش پر مستوی ہے اور پوری کائنات پر اسکی حکمرانی، بادشاہت اور قبضہ ہے۔ اس کیلئے

انتہائی پیارے پیارے نام اور بہت ہی اعلیٰ صفات ہیں۔وہ اپنی تمام صفات اور ناموں کے ساتھ ہمیشہ سے ہے،وہ اس بات سے انتہائی بلند اور پاک ہے کہ اس کی کوئی صفت مخلوق ہو یا کوئی نام نیا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا،اور یہ کلام اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں بلکہ صفتِ ذاتیہ ہے،اللہ تعالیٰ نے پہاڑ (کوہِ طور) پر اپنی تجلی ڈالی تو وہ اللہ تعالیٰ کے جلال سے ریزہ ریزہ ہوگیا، قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے کہ فنا کا شکار ہو جائے،نہ ہی کسی مخلوق کی صفت ہے کہ ختم ہو جائے۔

اچھی اور بری،میٹھی اور کڑوی ہر قسم کی تقدیر پر ایمان لانا (فرض ہے)۔ان تمام چیزوں کو ہمارے پروردگار اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا،تمام امور کی مقادیر اس کے ہاتھ میں ہے،جن کا صادر ہونا اس کے فیصلے سے ہے۔

وہ ہر شئی کو وجود میں آنے سے پہلے ہی جانتا ہوتا ہے،اور وہ شئی جب وجود میں آتی ہے تو اس کی تقدیر کے مطابق ہی آتی ہے،بندوں کا ہر قول اور فعل اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر اور اس کے علم سابق کے مطابق ہوتا ہے ﴿ کیا وہ ذات علم نہیں رکھتی جس نے پیدا کیا؟ وہ تو باریک بین اور باخبر ہے ﴾۔

جسے چاہتا ہے گمراہ کر کے ذلتوں کی پستیوں میں دھکیل دیتا ہے،جو کہ عینِ عدل ہے،اور جسے چاہتا ہے توفیقِ ہدایت سے مشرف فرما دیتا ہے،جو عینِ فضل ہے۔ہر بد بخت یا نیک بخت، اللہ تعالیٰ کے علم سابق اور تقدیر کے مطابق اپنی اپنی راہ پر بآسانی چلایا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بلند ہے کہ اسکی بادشاہت میں کوئی چیز اسکے ارادے کے بغیر یا برخلاف ہو،یا کوئی مخلوق اس سے مستغنی ہو،ہر شئی کا صرف وہی خالق ہے،تمام بندوں اور انکے تمام اعمال کا وہی رب ہے،اور انکی تمام حرکات وآجال کی تقدیر بنانے والا بھی وہی ہے۔

لوگوں پر حجت قائم کرنے کیلئے، ان کی طرف رسول مبعوث فرمانے والا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ رسالت کا اپنے آخری نبی محمد ﷺ پر اختتام فرمادیا، اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تمام انبیاء ومرسلین میں سے سب سے آخر میں مبعوث فرمایا، آپ ﷺ کو بشیر ونذیر بنایا ،اپنے اذن سے اپنا داعی اور سراج منیر بنا کر بھیجا، آپ ﷺ پر اپنی کتابِ حکیم (قرآن مجید) نازل فرمائی، اور آپ ﷺ کے ذریعے اپنے دینِ متین کی شرح وتفصیل فرمادی، نیز آپ ﷺ کے ذریعے لوگوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمادی۔

اور بے شک قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ تمام مُردوں کو اٹھائے گا، جیسے انہیں پیدا کیا تھا، ویسے ہی دوبارہ بن جائیں گے۔

اور بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے مؤمن اور موحد بندوں کی نیکیوں کو خوب بڑھادیتا ہے، اور ان کی توبہ کے بسبب ان کے بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے، اور بڑے گناہوں سے اجتناب کی برکت سے ان کے چھوٹے گناہوں سے درگزر فرمادیتا ہے، اور اگر کوئی موحد بندہ اپنے کبیرہ گناہوں سے توبہ نہ کرپایا ہو تو اس کا معاملہ اپنی مشیت کے تحت فرمالیتا ہے۔ ﴿ إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ ﴾ (النساء:۴۸)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا اور شرک کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف فرمادے''۔

اور جس (مسلمان) کو اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ کی سزا دے گا اسے جہنم سے بوجہ اس کے ایمان کے نکال دے گا، پھر ایمان کی برکت سے جنت میں داخل کردے گا: ''پس جس نے ایک ذرہ کے بقدر نیکی کی وہ اسے ضرور دیکھے گا'' اللہ تعالیٰ جہنم سے نبی ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے آپ ﷺ کی امت کے بہت سے اہلِ کبائر کو، جس جس کی آپ ﷺ شفاعت کریں گے، نکال دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا فرمادیا ہے، اور اسے اپنے دوستوں کے رہنے کیلئے ہمیشہ کا گھر قرار

دے دیا ہے، اس گھر میں اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو اپنے بابرکت چہرے کے دیدار سے مشرف فرمائے گا۔ یہ جنت وہی گھر ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور خلیفہ آدم علیہ السلام کو اتار کر زمین پر بھیج دیا تھا، اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق میں یہ بات موجود تھی۔

اللہ تعالیٰ جہنم کو بھی پیدا فرما چکا ہے، اور اسے کفر کرنے والوں اور اپنی آیتوں، کتابوں اور رسولوں میں الحاد پیدا کرنے والوں کا ہمیشہ کا ٹھکانہ قرار دے چکا ہے، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے دیدار سے محروم رکھے گا۔

اور بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن آئے گا، اور فرشتے بھی قطاروں میں (آئیں گے) تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر پیش کریں، اور اللہ تعالیٰ ان سے سارا حساب لے، اور انہیں عذاب میں جھونکنے یا ثواب عطا فرمانے کے فیصلے فرمائے۔ بندوں کے اعمال کے وزن کیلئے ترازو بھی قائم کر دیئے جائیں گے، پس جن کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا، وہ کامیاب قرار پائیں گے۔ اسی طرح لوگوں کو ان کے اعمال کے صحیفے بھی دیئے جائیں گے، پس جسے دائیں ہاتھ میں اس کا صحیفہ تھما دیا گیا، ان کا حساب بہت آسان کر دیا جائے گا، اور جنہیں ان کا صحیفہ پشت کے پیچھے سے دیا گیا، وہ لوگ جلتی آگ کا لقمہ بن جائیں گے۔

(قیامت کے دن) پل صراط برحق ہے، جسے بندے اپنے اپنے اعمال کے بقدر عبور کریں گے، کچھ تو نجات پا جائیں گے جو جہنم سے نجات میں تیزی کے اعتبار سے متفاوت ہونگے۔ اور بہت سے لوگوں کو ان کے اعمال ہلاکت کے گڑھے (جہنم) میں پھینک دیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کے حوض پر ایمان لانا (فرض ہے) آپ ﷺ کے حوض پر آپ ﷺ کی امت وارد ہوگی، جس نے اس حوض سے پانی پی لیا اسے (جنت میں داخلے تک) پیاس نہیں لگے گی، حوضِ کوثر سے اس بدعتی کو دور کر دیا جائے گا جس نے دین میں تبدیل وتغییر کا ارتکاب کیا۔

اور بے شک ایمان زبان کے اقرار، دل کے اخلاص، اور اعضاء کے عمل کا نام ہے، نیکیوں کی

زیادتی سے بڑھتا ہے اور کمی سے گھٹتا ہے، ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، ایمان کا قول، عمل کے بغیر پورا نہیں ہوتا، اور قول وعمل دونوں نیت کی درستگی کے بغیر نامکمل ہیں، اور قول، عمل اور نیت تینوں رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مطابقت کے بغیر نا قابلِ قبول ہیں۔

اور اہلِ قبلہ میں سے کوئی شخص کسی گناہ کے ارتکاب سے کافر نہیں ہو جاتا۔

شہداء زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں، نیک لوگوں کی روحیں قیامت قائم ہونے تک نعمتوں سے متمتع ہوتی رہیں گی، جبکہ بُرے لوگوں کی روحیں قیامت تک مبتلائے عذاب رہیں گی۔

مؤمنین کو ان کی قبروں میں آزمائش اور امتحان کے مرحلے سے گزارا جائے گا۔ ''اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو قولِ ثابت کے ساتھ دنیا کی زندگی اور آخرت میں ثابت قدمی عطا فرماتا ہے''۔

بندوں پر نگران فرشتے مقرر ہیں، جو ان کے اعمال لکھتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کے علم سے بھی کوئی عمل ساقط نہیں ہوتا (خواہ فرشتے لکھیں یا نہ) اور ملک الموت فرشتہ اللہ کے اذن سے روحیں قبض کرتا ہے۔

اور بے شک سب سے بہترین زمانہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے بحالتِ ایمان رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا، پھر ان لوگوں کا جو صحابہ کے بعد آئے، پھر ان کے بعد آنے والوں کا۔

صحابہ کرام میں سے سب سے افضل خلفاءِ راشدین ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں، وہ ابوبکر صدیق پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنھم اجمعین ہیں۔

ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر صحابی کو اچھے ذکر سے یاد کیا جائے، ان کے آپس کے مشاجرات واختلافات کے متعلق خاموشی اختیار کی جائے، وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ (ان کے مشاجرات میں) ان کیلئے بہتر مخرج تلاش کیا جائے، اور ان کے بارہ میں سب سے اچھا گمان

قائم کیا جائے۔

۱ اور (اہل السنۃ) مسلمانوں کے حکام اور علماءِ کرام کی اطاعت بھی (ضروری قرار دیتے ہیں)۔سلف صالحین کی اتباع، ان کے نقشِ قدم کی پیروی اور ان کیلئے استغفار کرتے رہنا (اہل السنۃ کے معتقدات میں شامل ہے)۔(اہل السنۃ کے منہج میں یہ بات بھی شامل ہے کہ) دین میں جھگڑنے سے یکسر گریز کی جائے۔اہلِ بدعت نے، دین میں جو اضافے کیے ہیں، انہیں کلی طور پہ ترک کر دینا (بھی اہل السنۃ والجماعۃ کے منہج میں شامل ہے)۔

اور اللہ تعالٰی ہمارے سردار، نبی پاک محمد ﷺ پر، آپ کی آل، ازواجِ مطہرات اور ذریات پر رحمتیں اور بہت زیادہ سلامتیاں نازل فرمائے۔ (آمین)

نام کتاب : بنیادی عقائد (مقدمة فی العقیدة للقیروانی کی شرح کا اردو ترجمہ)

مولف : فضیلۃ الشیخ عبدالمحسن حمد العباد (حفظہ اللہ)

صفحات : ۳۳۶

مترجم : فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی (حفظہ اللہ)

ناشر : مکتبہ عبداللہ بن سلام لترجمۃ کتب الاسلام

آغازِ شرح

أول شرح

[۱] قولہ: "باب ما تنطق به الألسنة وتعتقده الأفئدة من واجب أمور الديانات، من ذلك الإيمان بالقلب والنطق باللسان أن الله إله واحد لا إله غيره، ولا شبيه له، ولا نظير له، ولا ولد له، ولا والد له، ولا صاحبة له، ولا شريك له."

ترجمہ: "یہ باب دین کے ان امور کے بیان میں ہے جن کا اقرار تمام زبانوں پر، اور اعتقاد تمام دلوں پر فرض ہے، ان میں سے ایک چیز یہ ہے کہ دل کے ساتھ ایمان، اور زبان کے ساتھ اقرار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ: معبودِ حق ہے، اکیلا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شبیہ اور نظیر نہیں ہے، نہ ہی اس کی اولاد ہے نہ والد، نہ اس کی بیوی ہے اور نہ ہی کوئی شریک۔"

شرح

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے، حقیقت میں صرف ایک باب ہے، جسے ابن ابی زید القیروانی رحمہ اللہ نے فقہی مسائل پر لکھے گئے اپنے "الرسالة" کے مقدمہ کے طور پر تحریر فرمایا ہے، گویا یہ انکی عقیدہ کے موضوع پر کوئی مستقل تالیف نہیں ہے، بلکہ مستقل تصنیف کا بطور مقدمہ ایک باب ہے، اس طرح انکی یہ تحریر دونوں فقہوں کو جمع کیئے ہوئے ہے، ایک وہ فقہ جس کا تعلق عقیدہ سے ہے، جس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، اس فقہ کو اصطلاحاً فقہ اکبر کہا جاتا ہے، دوسری وہ فقہ جس کا تعلق فروعِ دین کے احکام سے ہے اس میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے مذکورہ عقیدہ کیلئے دو چیزوں کے واجب ہونے کا ذکر کیا ہے، ایک زبان کا اقرار، دوسرا قلبی اعتقاد...... عمل کا ذکر نہیں کیا؟ جو کہ ارجاء ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ عقیدہ کیلئے صرف زبان کا اقرار، اور دل کی تصدیق مطلوب ہے، عمل مطلوب نہیں، عمل کی شرط ایمان کی

تعریف کے ساتھ ہے، اور اس مقدمہ میں مؤلف رحمہ اللہ نے جب ایمان کی تعریف کی تو ان تین شرائط کے ساتھ کی ہے یعنی: زبان کا اقرار، دل کی تصدیق اور جوارح کا عمل۔

اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اثبات اور اللہ تعالیٰ سے سات چیزوں کی نفی

ابن ابی زید کا مذکورہ کلام ایک تو اس بات پر مشتمل ہے کہ الوہیت یعنی مستحقِ عبادت ہونا صرف اللہ رب العزت کیلئے ثابت ہے اور کسی کیلئے نہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے سات چیزوں کی نفی کی ہے:

(۱) ہر غیر اللہ کے معبود ہونے کی نفی۔

(۲) کسی کے اللہ تعالیٰ کے شبیہ ہونے کی نفی۔

(۳) کسی بھی شی سے اللہ تعالیٰ کے نظیر ہونے کی نفی۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی اولاد کی نفی۔

(۵) اللہ تعالیٰ کا باپ ہونے کی نفی۔

(۶) اللہ تعالیٰ کی بیوی ہونے کی نفی۔

(۷) اللہ تعالیٰ کے شریک ہونے کی نفی۔

اب تمام امور کی تفصیل پیشِ خدمت ہے:

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمانا: "ان اللہ الـٰـه واحد لا الـٰـه غيره" یعنی (اللہ تعالیٰ اکیلا الٰہ (معبود) ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں)

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے:

﴿ وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ﴾ (البقرة:۱۶۳)

ترجمہ: "تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ بہت رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے"

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا معبودِ حق ہے، اور ضروری ہے کہ ہر قسم کی عبادت اسی اکیلے معبود کیلئے بجالائی جائے، اور کسی بھی عبادت میں غیر اللہ کا کسی قسم کا کوئی حصہ نہ ہو۔ اس عظیم الشان عقیدے کو سمجھانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورسل کو مبعوث فرمایا اور آسمانی کتابیں نازل فرمائیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا نُوْحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ (الانبیاء:۲۵)

ترجمہ: ''اور آپ سے قبل ہم نے جس رسول کو مبعوث کیا اس کی طرف یہی وحی کی کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے پس صرف اور صرف میری ہی عبادت کرو۔''

ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ (النحل:۳۶)

ترجمہ: ''اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور ہر طاغوت کا انکار کرو۔''

نیز فرمایا: ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ (الذاریات:۵۶)

ترجمہ: ''اور میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو، مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں''

توحید کی تین اقسام اور ان کی تعریفات

چنانچہ تمام مخلوقات، اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمائیں، تمام رسولوں کو اسی نے مبعوث فرمایا، اور تمام کتابیں اسی نے نازل فرمائیں...... تاکہ ان رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی خلق تک اللہ تعالیٰ کا امر اور آرڈر پہنچ جائے کہ صرف وہ ذاتِ واحد ہی ہر قسم کی عبادت کی مستحق ہے اور اس ذاتِ برحق کے سوا کوئی بھی، کسی بھی قسم کی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ توحید کی یہ قسم توحید الوہیت کہلاتی ہے، جو توحید کی تین اقسام میں سے ایک ہے، باقی دو قسمیں توحید ربوبیت اور توحید اسماء وصفات ہیں۔

توحید الوہیت یہ ہے کہ عبادت کے تعلق سے بندوں کے تمام افعال مثلاً: دعا، استغاثہ، استعاذہ، ذبح اور نذر وغیرہ کا اکیلا اللہ تعالیٰ ہی حقدار ہے۔تمام بندوں پر یہ بات حتمی اور قطعی طور پر فرض ہے کہ وہ تمام عبادات کو صرف اللہ تعالیٰ کیلئے خاص کردیں، اور کسی بھی عبادت میں، کسی کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہرائیں...... گویا توحیدِ الوہیت کا تعلق بندوں کے افعال سے ہے۔

جبکہ توحیدِ ربوبیت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے افعال سے ہے، مطلب یہ کہ جو افعال اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص ومذکور ہیں ان تمام افعال کا صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کو ہی مستحق قرار دیا جائے......

مثلاً: پیدا کرنا، روزی دینا، زندہ کرنا، مارنا اور کائنات میں تصرف کرنا، یہ سب وہ افعال ہیں جو اللہ تعالیٰ کیلئے مختص ہیں، اور ان افعال میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے۔

توحیدِ اسماء وصفات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اس ذاتِ حق کیلئے جن اسماء وصفات کا اثبات فرمایا ہے، انھیں اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت کیا جائے، اور اسی طرح ثابت کیا جائے جیسا کہ اس کے کمال وجلال کے لائق ہے، اس میں نہ تو کسی صفت میں کسی سے تشبیہ ہو، نہ کسی صفت کی کیفیت کا بیان ہو، نہ کسی صفت میں لفظی یا معنوی تحریف ہو اور نہ ہی کسی صفت کا انکار وتعطیل ہو۔

سورۃ الفاتحہ اور سورۃ الناس توحید کی تینوں اقسام پر مشتمل ہیں

توحید کی یہ تقسیم قرآن وحدیث کے نصوص سے استقراءً معلوم ومفہوم ہوتی ہے، اور اگر آپ قرآن مجید کی پہلی اور آخری دونوں سورتیں پڑھیں تو یہ نکتہ آپ پر عیاں ہو جائیگا، کیونکہ یہ دونوں سورتیں توحید کی مذکورہ تینوں اقسام پر مشتمل ہیں، چنانچہ ہم وضاحت کیلئے ان دونوں سورتوں کے مضمون پر غور کرتے ہیں:

سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیت ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴾ ہے، "اَلْحَمْدُ" کا جملہ، توحید الوہیت پر مشتمل ہے کیونکہ بندوں کا ہر قسم کی حمد وثنا کا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا عبادت ہے،

اور توحیدِ الوہیت بھی اسی چیز کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے ہر قسم کی عبادت بجالائی جائے ، اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴾ میں توحیدِ ربوبیت کا اثبات ہے، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے تمام عالمین کے رب ہونے کا اقرار واعتراف ہے ، اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز عالمین میں داخل وشامل ہے، چنانچہ اس کائنات میں یا تو خالق ہے یا مخلوق، تیسری کوئی چیز نہیں، رب العالمین میں اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے اور باقی تمام عالمین کے مخلوق ومربوب ہونے کا اعتراف ہے، پھر یہ بات معلوم ہے کہ ''رب'' اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے، اور یہ توحیدِ اسماء وصفات ہے، گویا سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیت ہی توحید کی تینوں اقسام پر مشتمل ہے۔

اس کے بعد قولہ تعالیٰ ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات مذکور ہیں۔ اس طرح یہ آیت بھی توحیدِ اسماء وصفات پر مشتمل ہے ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے دو نام ہیں، یہ دونوں نام اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یعنی رحمت پر دلالت کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء مشتق ہیں اور کسی نہ کسی صفت پر دلالت کر رہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام اسمِ جامد نہیں ہے۔

قولہ تعالیٰ ﴿ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ میں توحیدِ ربوبیت کا اثبات ہے، کیونکہ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے مالکِ دنیا وآخرت ہونے کا عقیدہ پنہاں ہے، یہاں صرف آخرت کے مالک ہونے کا بطورِ خاص اس لیئے ذکر کیا کہ قیامت کے دن سب کے سب اللہ رب العالمین کیلئے پوری طرح جھک جائیں گے، برخلاف دنیا کے، کہ یہاں لوگوں میں طرح طرح کی سرکشی، عناد اور تکبر ونافرمانی پائی جاتی ہے، جیسا کہ فرعون نے ﴿ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴾ کہا تھا۔

قولہ تعالیٰ: ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ میں توحیدِ الوہیت کا اثبات ہے، کیونکہ اس آیتِ کریمہ میں بندے بڑے حصر کے ساتھ اس بات کا اعتراف کر رہے ہیں کہ اے اللہ! ہم ہمہ نوع کی عبادت واستعانت کے ساتھ تجھے ہی خاص کرتے ہیں اور تیرے ساتھ کسی دوسرے کو

شریک نہیں کرتے۔

قولہ تعالیٰ: ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ . صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ ﴾ میں توحید الوہیت کا اثبات ہے، کیونکہ یہ آیاتِ مبارکہ اللہ تعالیٰ سے طلبِ ہدایت کی دعا پر مشتمل ہیں، اور یہ بات معلوم ہے کہ دعا ایک اہم ترین عبادت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [الدعاء هو العبادة] دعا عبادت ہے۔

ان آیاتِ کریمہ میں بندہ اپنے پروردگار سے صراطِ مستقیم کی ہدایت کی دعا مانگتا ہے، وہ صراطِ مستقیم جس پر انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین چلتے رہے، اور یہ سب کے سب اہلِ توحید ہیں۔

اسی طرح ان آیاتِ مبارکہ میں بندہ اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کر رہا ہے کہ مجھے ان لوگوں کے راستے سے بچائے رکھنا جو مستحقینِ غضب وضلالت کا راستہ تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو توحید سے باغی تھے، ان سے انواع واقسام کے شرک صادر ہوتے رہے اور وہ غیر اللہ کی عبادت کی روش پر قائم رہے۔ (ہماری اس تقریر سے واضح ہوا کہ سورۃ الفاتحہ جوام الکتاب ہے کا مکمل موضوع توحیدِ باری تعالیٰ ہے اور یہ سورۂ مبارکہ توحید کی تینوں اقسام پر مشتمل ہے)

اب قرآنِ کریم کی آخری سورت، سورۃ الناس پر غور کیجیے:

اس کی پہلی آیت: ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴾ توحید کی تینوں اقسام پر مشتمل ہے، چنانچہ "استعاذہ" یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا عبادت ہے، اور یہ توحیدِ الوہیت ہے، اور "رب الناس" قولہ تعالیٰ: ﴿ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ کی طرح توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ اسماء وصفات دونوں پر مشتمل ہے۔

قولہ تعالیٰ: ﴿ مَلِكِ النَّاسِ ﴾ بھی توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ اسماء وصفات دونوں پر مشتمل ہے

قولہ تعالیٰ: ﴿ اِلٰهِ النَّاسِ ﴾ میں توحیدِ الوہیت اور توحیدِ اسماء وصفات دونوں اقسام موجود ہیں۔

توحید کی ان اقسام میں باہم نسبت

واضح ہو کہ توحید کی ان تینوں اقسام میں آپس میں جو نسبت پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ توحید ربوبیت اور توحیدِ اسماء وصفات کا اقرار واعتراف توحیدِ الوہیت کو مستلزم ہے، جبکہ توحیدِ الوہیت کا اقرار واعتراف توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ اسماء وصفات دونوں کو متضمن ہے۔

اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے کہ جس شخص نے توحیدِ الوہیت کا اقرار کرلیا وہ لازماً توحید ربوبیت اور توحیدِ اسماء وصفات کا بھی اقرار کرے گا، کیونکہ جب اس نے اللہ وحدہ لاشریک لہ کو اپنا معبود مان لیا اسے ہر قسم کی عبادت کے مستحق ہونے کے ساتھ خاص کرلیا، اور کسی بھی قسم کی عبادت میں ہر قسم کے شریک کا انکار کرلیا، تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے خالق، رازق، محیي اور ممیت ہونے کا انکار نہیں کر سکے گا (اور یہ سب توحیدِ ربوبیت پر مشتمل صفات ہیں) اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور صفاتِ علیٰ میں سے کسی نام یا صفت کا انکار نہیں کر سکے گا۔

اسی طرح جس شخص نے توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ اسماء وصفات کا اقرار کرلیا تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ توحیدِ الوہیت کا بھی اقرار کرلے۔ اسے یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ کفارِ مکہ جن کی طرف رسول اللہ ﷺ کی بعثت عمل میں آئی تھی، توحیدِ ربوبیت کا اقرار کرتے تھے، توحید کی اس قسم کے اقرار نے انہیں داخلِ اسلام نہیں کیا، اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے اس وقت تک قتال حلال قرار دے دیا جب تک وہ خالص اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت نہیں کرتے (یعنی توحیدِ الوہیت نہیں مان لیتے) یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید میں بہت سے مقامات میں توحیدِ ربوبیت، جس کا کفار اقرار کرتے تھے کا اثبات وتقریر مذکور ہے، تا کہ انہیں توحیدِ الوہیت کے اقرار واعتراف پر آمادہ کیا جائے (کیونکہ توحیدِ ربوبیت کا اقرار، توحیدِ الوہیت کے اقرار کو مستلزم ہے) بطورِ مثال قرآنِ مجید کی ان آیات کو پڑھیے:

﴿ أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ

ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنبِتُوا شَجَرَهَا ءَ إِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ . أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَا أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَ إِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ . أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ءَ إِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ . أَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَ إِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ . أَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ءَ إِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾

(النمل:۶۰تا۶۴)

ترجمہ: ''بھلا بتاؤ تو؟ کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ کس نے آسمان سے بارش برسائی؟ پھر اس سے ہرے بھرے بارونق باغات اگا دیے؟ ان باغوں کے درختوں کو تم ہرگز نہ اگا سکتے، کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ بلکہ یہ لوگ ہٹ جاتے ہیں (سیدھی راہ سے)۔ کیا جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں جاری کر دیں اور اس کیلئے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان روک بنا دی کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر کچھ نہیں جانتے۔ بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے؟ اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہو۔ کیا وہ جو تمہیں خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے اور جو اپنی رحمت سے پہلے ہی خوشخبریاں دینے والے ہوائیں چلاتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے جنہیں یہ شریک کرتے ہیں، ان سب سے اللہ بلند و بالاتر ہے۔ کیا وہ جو مخلوق کی اول دفعہ پیدائش کرتا ہے پھر اسے لوٹائے گا اور جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزیاں دے رہا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ کہہ دیجئے کہ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔''

ان پانچوں آیاتِ مبارکہ میں توحیدِ ربوبیت کی تقریر واثبات ہے، جسے کفار بھی تسلیم کرتے تھے، تا کہ انہیں توحیدِ الوہیت قبول کرنے کی دعوت دی جائے، یہی وجہ ہے کہ آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے توحیدِ ربوبیت کے اثبات کے بعد فرمایا:

﴿ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟

مطلب بالکل واضح ہے کہ جو ذات ان افعال کی انجام دہی میں اکیلا وتنہا ہے (جن افعال کا مذکورہ آیات میں ذکر ہوا) تو ضروری ہے کہ اس ذات کو معبود بھی مانا جائے اور ہر نوع کی عبادت اس کے ساتھ مختص کی جائے؛ کیونکہ جو ذات خلق وایجاد جیسے افعال کے ساتھ مختص ہے اس ذات کا معبود ہونا امرِ متعین وواجب ہے۔

اس بات میں کیا معقولیت ہے کہ یہ مخلوقات جو پہلے معدوم تھیں، اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آئیں انہیں پیدا ہونے کے بعد معبود مان لیا جائے، یا ان مخلوقات کو خالق کا شریک ٹھہرا لیا جائے؟ یہ بات کسی طرح بھی معقول ہے؟

قبولیتِ اعمال کی دو شرطیں: اخلاص اور اتباعِ سنت

حقیقتِ عبادت واضح ہونے کے بعد آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کسی بھی عبادت یا عمل کے قابلِ قبول ہونے کیلئے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

ایک یہ کہ وہ عمل اللہ تعالیٰ کیلئے خالص ہو، اور دوسرا یہ کہ وہ نبی ﷺ کی سنت کے مطابق وموافق ہو۔ لہٰذا ہر عمل کی قبولیت کیلئے تجریدِ اخلاص اور تجریدِ متابعت ضروری ہے، اخلاص اللہ وحدہ لاشریک لہ کیلئے، اور متابعت رسول اللہ ﷺ کیلئے...... اگر کسی عمل کو سنتِ رسول ﷺ کی مطابقت تو حاصل ہو لیکن اخلاص مفقود ہو تو وہ عمل عند اللہ کسی قبولیت یا پذیرائی کا مستحق نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴾ (الفرقان:۲۳)

ترجمہ: ''اور انہوں نے جو جو اعمال کیے تھے ہم نے ان کی طرف بڑھ کر انہیں پراگندہ ذر[ات]
کی طرح کر دیا''

اسی طرح اگر عمل میں اخلاص کی شرط تو موجود ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مطابقت
شرط مفقود ہے، بلکہ بدعات ومحدثات کی اساس پر قائم ہے تو وہ عمل عند اللہ غیر متبول ہے اور ع[مل]
کرنے والے پر مردود قرار پاتا ہے۔

صحیح بخاری ومسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے مروی ایک حدیث میں رسول ال[لہ]
ﷺ نے فرمایا: [من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد]

ترجمہ: [جس شخص نے (خواہ وہ کوئی بھی ہو) ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز نکالی، جو د[ین]
میں سے نہ ہو، تو وہ مردود ہے]

صحیح مسلم کی حدیث میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں:

[من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد]

ترجمہ: [جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہ ہو تو وہ عمل اس شخص پہ مردود ہے]

یہ کہنا غلط ہے کہ عمل کرنے والا اگر مخلص ہو، عمل خواہ سنت کے مطابق نہ بھی ہو، لیکن بندے کا
ارادہ ونیت نیک ہو تو وہ عمل درست، قابلِ تعریف اور نافع ہے، اس قسم کے مفروضوں اور نظریات
کے غلط ہونے کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا اپنے اس صحابی سے کہ جس نے نماز عید سے قبل اپنی
قربانی ذبح کر لی تھی یہ فرمانا: [شاتك شاة لحم] تمہاری یہ بکری صرف گوشت کھانے کھلانے
کی حد تک ہے (قربانی کی نہیں ہے)

رسول اللہ ﷺ نے اس کی قربانی کا کوئی اعتبار نہیں فرمایا، کیونکہ وہ وقتِ ذبح شروع ہونے
سے قبل ذبح کر لی گئی تھی، وقتِ ذبح نماز عید کی ادائیگی کے بعد ہے مگر اس نے نماز سے قبل ذبح
کر ڈالی۔

اس حدیث کو امام بخاری اپنی صحیح (۵۵۵٦) میں اور امام مسلم نے اپنی صحیح (۱۹٦۱) میں روایت فرمایا ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری (۱۰/۱۷) میں اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "شیخ ابو محمد بن ابی جمرۃ کا کہنا ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ عمل خواہ کتنی اچھی نیت سے کیوں نہ صادر ہو، اسوقت تک صحیح اور معتبر نہیں ہوگا جب تک رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے موافق نہ ہو"

سنن دارمی (۱/٦۸، ٦۹) میں ہے

"عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو مسجد میں حلقہ بنائے بیٹھے دیکھا، ان کے سامنے کنکریاں پڑی ہوئی تھیں، ایک شخص کہتا: سوبار "اللہ اکبر" کہو، سب سودفعہ "اللہ اکبر" کہتے، پھر وہ کہتا: سوبار "لا الـٰـه الا اللہ" کہو، سب سوبار "لا الـٰـه الا اللہ" کہتے، پھر وہ کہتا سوبار "سبحان اللہ" کہو، سب سوبار "سبحان اللہ" کہتے...... آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ لوگوں نے کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! ہم ان کنکریوں پر تکبیر تہلیل اور تسبیح شمار کررہے ہیں، فرمایا: تم اس کے بجائے اپنے گناہ شمار کرو، میں ضمانت دیتا ہوں کہ اس طرح کم از کم تمہاری کوئی نیکی تو نہ ضائع ہوگی، اے امتِ محمد (ﷺ) تم پہ افسوس! تم کتنی جلدی برباد ہوگئے، ابھی نبی ﷺ کے صحابہ کرام اتنی بڑی تعداد میں موجود ہیں، نبی ﷺ کے کپڑے تک موجود ہیں، جواب تک بوسیدہ نہیں ہوئے، برتن نہیں ٹوٹے، اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یا تو تم محمد ﷺ سے زیادہ نیک اور ہدایت یافتہ بن چکے ہو، یا تم نے اپنے لیئے ضلالت کا ایک دروازہ کھول لیا ہے، لوگوں نے کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! مگر ہمارا ارادہ اور نیت تو نیک ہے، فرمایا: کتنے لوگ ہیں جن کے ارادے نیک ہوتے ہیں، لیکن نیکی اور خیر انہیں نصیب نہیں ہوتی"

(گویا محض نیت وارادے کا نیک ہونا قبولیتِ عمل کیلئے کافی نہیں بلکہ اس کیلئے امام الانبیاء ﷺ کی سنت کا اتباع بھی ضروری ہے) اس اثر کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے سلسلۃ الصحیحۃ (رقم: ۲۰۰۵) میں ذکر کیا ہے۔

ابن ابی زید رحمہ اللہ کا یہ فرمان" ان الله الٰه واحد لا الٰه غیره "باعتبار معنی کلمہ اخلاص وتوحید "لا الٰہ الا اللہ" کی تعبیر وترجمانی کررہا ہے، چنانچہ کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" نفی عام اور اثبات خاص پر دلالت کررہا ہے، نفی عام سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جتنے بھی معبود بنائے گئے ہیں یا بنائے جائیں گے سب کی عبادت کی نفی وابطال، اور اثباتِ خاص سے مراد یہ ہے کہ ہر طرح کی عبادت کا چونکہ اللہ تعالیٰ مستحق ہے لہذا ہر طرح کی عبادت اللہ تعالیٰ کیلئے خاص کردی جائے۔

"لا الٰہ......" کا "لا" برائے نفی جنس ہے، جس کی خبر محذوف ہے، تقدیر "حق" ہے۔ مقصود اللہ تعالیٰ کے سوا معبودِ حق کی نفی ہے، کیونکہ معبودِ باطل تو نہ صرف یہ کہ موجود ہیں بلکہ بڑی تعداد میں موجود ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کا یہ قول قرآنِ پاک میں ذکر فرمایا ہے:

﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهاً وَّاحِداً اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴾ (ص:۵)

ترجمہ: "کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کے بجائے ایک ہی معبود بنادیا، یہ تو بڑی عجیب بات ہے!"

ابن ابی زید نے جو "لا الٰه غيره " فرمایا ہے یہ جملہ ان کے قول "ان الله الٰه واحد " کی تاکید ہے۔ اور ان کے کلام کے مذکورہ سات جملے جو نفی پر مشتمل ہیں، آخری جملہ "لا شــریک له " ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ عبادت کا اللہ تعالیٰ کیلئے خالص ہونا ضروری ہے، اور عبادت کی کسی بھی قسم میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت میں اکیلا ہے، اور اپنے تمام اسماء وصفت میں اکیلا ہے، صرف وہی عبادت کا مستحق ہے، دوسرا کوئی نہیں، اس کی ربوبیت میں بھی کوئی شریک نہیں ہے وہ سبحانہ وتعالیٰ اکیلا ہی خالق اور مدبر ہے۔ اسی طرح اس کا اسماء وصفات میں بھی کوئی شریک نہیں ہے، کیونکہ ان صفات کے جو معانی اللہ تعالیٰ کے لائق ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق شریک نہیں ہوسکتی۔

مؤلف رحمہ اللہ کا قول" لا شبیه له ولا نظیر له "اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی

مثل نہیں ہے،اور نہ ہی اس کی پوری مخلوق میں کوئی اس کا مشابہ ہے، بلکہ وہ اپنی تمام صفات کے

ساتھ منفرد (اکیلا اور تنہا) ہے،اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (الشوریٰ:11)

ترجمہ:''اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سننے والا دیکھنے والا ہے''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ ایک آیتِ کریمہ، اسماء وصفات کے حوالے سے أھل

السنۃ کے عقیدے کیلئے ایک اصل کی حیثیت رکھتی ہے،اور وہ اصل ہے''اثبات مع التنزیہ

یعنی صفاتِ کمال کو اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت کرنا ،اور اس طرح ثابت کرنا کہ وہ کسی بھی مخلوق ک

مشابہت سے منزہ اور پاک ہوں۔

أھل السنۃ کا یہ عقیدہ ،فرقۂ مشبہہ کے عقیدے کے خلاف ہے،فرقۂ مشبہہ کے ہاں صفا

باری تعالیٰ کے حوالے سے جو عقیدہ ہے وہ''اثبات مع التشبیہ ''یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی صفا

ثابت تو کرتے ہیں لیکن مخلوقات سے تشبیہ کے ساتھ۔(و نعوذ با للہ من ھذا ا لضلا ل)ا

طرح أھل السنۃ کا مذکورہ عقیدہ،فرقۂ معطلہ کے عقیدے کے بھی خلاف ہے،فرقۂ معطلہ کا عقی

''تنزیہ مع التعطیل ''ہے،یعنی وہ خالق کی مخلوقات سے تشبیہ کی نفی کرتے ہیں،اس طرح

صفات ہی کا انکار کر دیا جائے،تاکہ نہ صفات ہوں اور نہ تشبیہ کا خطورہو،(ولاحول ولاقوۃ الا باللہ

أھل السنۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں مذکور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات برحق ہیں،ا

تعالیٰ کیلئے ثابت ہیں اور مخلوقات کی مشابہت سے پاک ہیں۔چنانچہ قولہ تعالیٰ: ﴿ وَهُوَ السَّـ

الْبَصِيرُ ﴾ میں اللہ تعالیٰ کے دو ناموں کا اثبات ہے ایک''السمیع ''اور دوسرا''البصیر ''،

یہ دونوں نام اللہ تعالیٰ کی دو صفات کے اثبات پر دلالت کر رہے ہیں ،ایک صفتِ سمع، دوس

صفتِ بصر۔

اور قولہ تعالیٰ: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ﴾ تنزیہ پر دلالت کر رہا ہے۔اب اس مکمل آیت کا

یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کیلئے صفتِ سمع ثابت و برحق ہے لیکن مخلوقات کے سماع کی طرح نہیں، اسی طرح صفتِ بصر ثابت و برحق ہے لیکن مخلوقات کے ابصار کی طرح نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ﴾ (مریم:۶۵) ترجمہ: ''اس کا ہمنام ہم پلہ اور بھی ہے؟''

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علی بن ابی طلحہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما سے نقل فرماتے ہیں، وہ اس آیتِ کریمہ کا معنی یوں بیان کرتے تھے:

''کیا تم رب تعالیٰ کا کوئی مثل یا مشابہ جانتے ہو؟'' یہی تفسیر مجاہد، سعید بن جبیر، قتادۃ اور ابنِ جریج وغیرہ سے منقول ہے۔

ایک اور مقام پر فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾ ترجمہ: ''اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے''

''کفو'' سے مراد مثل اور نظیر ہے، امام قرطبی اپنی تفسیر میں (۲۰/۲۴۶) اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس سے نہ تو کوئی مشابہت رکھنے والا ہے نہ کوئی برابری کرنیوالا ہے، اس جیسی کوئی چیز نہیں''

قولہ تعالیٰ: ﴿ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾ میں کلمہ ''احد'' جو کہ نکرہ ہے سیاقِ نفی میں ہونے کے باعث بہت بڑے عموم پر دلالت کر رہا ہے، جس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا کسی صفت میں، کسی بھی قسم کا کوئی شبیہ یا مثل نہیں ہے۔ تفسیر ابنِ کثیر میں جو اس کلمہ کی تفسیر ''زوجۃ'' سے کی گئی ہے تو وہ از قبیل تفسیر بالمثال ہے۔ اور جملہ ﴿ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾ سابقہ جملوں کی اور بالخصوص پہلی آیت ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴾ کی تاکید ہے، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اکیلا ہے اور ایسا اکیلا ہے کہ کوئی اس کا شبیہ اور نظیر بھی نہیں ہوسکتا۔

قولہ: '' ولا ولد له، ولا والد له ولا صاحبة له''

”اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی اولاد ہے، نہ ہی باپ ہے اور نہ ہی بیوی“

قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کی اولاد، باپ، بیوی کی نفی نصاً وارد ہے۔ سورۂ اخلاص پڑھ کر دیکھ

﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ . اَللّٰهُ الصَّمَدُ . لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ . وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

ترجمہ: ”آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک (ہی) ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ نہ اس
کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے“

چنانچہ اس سورت نے اللہ تعالیٰ کے والد اور اولاد ہونے کی نفی کی ہے، اور ہر مثل ونظیر
کے ضمن میں بیوی ہونے کی نفی بھی آ گئی۔ اس مبارک سورت میں اللہ تعالیٰ کیلئے اح
اور صمدیت کا اثبات ہے، جبکہ ہر اصول (باپ) فروع (اولاد) اور نظراء (ہم مثل) کی نفی
چنانچہ وہ ذات ”احد“ ہے جس کا کوئی ہم مثل نہیں، اور صمد ہے جس کا کوئی باپ یا بیٹا نہیں ہے
کی طرف تمام خلائق اپنی حاجات پیش کرنے کی محتاج ومفتقر ہیں، اور وہ ذات سب سے مستغ
بے پرواہ ہے، اور اس کا مستغنی اور بے پرواہ ہونا ایسا باکمال ہے کہ وہ والد اور اولاد تک کا
نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اولاد ہونے کی نفی دیگر بہت سی سور وآیات میں وارد ہے؛ کیونکہ یہودی عزی
کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے تھے، جبکہ کفارِ مکہ جن کی طرف رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے،
کے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہونے کا عقیدۂ باطلہ رکھتے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں
اپنی اولاد ہونے کی نفی فرمائی۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا:

﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُ
قَانِتُوْنَ ﴾ (البقرۃ:۱۱۶)

ترجمہ: ”یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے، (نہیں بلکہ) وہ پاک ہے زمین وآسمان کی
مخلوق اس کی ملکیت میں ہے اور ہر ایک اس کا فرمانبردار ہے“

سورۃ المومنون میں فرمایا: ﴿ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ ﴾ (المومنون:91)

ترجمہ: ''نہ تو اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے''

سورۂ مریم میں فرمایا: ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۔ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴾

(مریم:88،89)

ترجمہ: ''ان کا قول تو یہ ہے کہ اللہ رحمٰن نے بھی اولاد اختیار کی ہے۔ یقیناً تم بہت بری اور بھاری چیز لائے ہو''

اسکے علاوہ اور بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ کی اولاد ہونے کی نفی مذکور ہے، دیکھیے سورۃ النساء، الانعام، التوبۃ، یونس، الاسراء، الکھف، الانبیاء، الصافات، الزخرف، اور الجن.

جہاں تک اللہ تعالیٰ کی بیوی ہونے کی نفی کا تعلق ہے تو یہ بھی قرآنِ حکیم میں کئی مقامات پر وارد ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جہاں بیوی کی نفی کی وہاں ساتھ ہی اولاد کی بھی نفی کی، چنانچہ فرمایا:

﴿ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ﴾

(الانعام:101)

ترجمہ: ''وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اللہ تعالیٰ کے اولاد کہاں ہوسکتی ہے حالانکہ اس کی کوئی بیوی تو ہے نہیں''

جنوں کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ﴾ (الجن:3)

ترجمہ: ''اور بیشک ہمارے رب کی بڑی شان بلند ہے نہ اس نے کسی کو (اپنی) بیوی بنایا ہے نہ بیٹا''

مؤلف ابن ابی زید رحمہ اللہ کے مذکورہ کلام میں جو اللہ تعالیٰ کے شبیہ، نظیر، والد، اولاد اور بیوی کی نفی وارد ہوئی ہے یہ بالکل طریقۂ سلفِ صالحین کے مطابق ہے، اور ان میں سے ہر چیز کی نفی

اللہ تعالیٰ کیلئے اثباتِ کمال کو متضمن ہے، چنانچہ شبیہ اور نظیر کی نفی کمالِ احدیت کو، جبکہ والد، او
اور بیوی کی نفی کمالِ غناء کو متضمن ہے۔ (یہاں ایک ضروری نکتہ ہے جو صفاتِ باری تعالیٰ کے تع
سے ہمیشہ ملحوظِ نظر رہنا چاہئے) قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ سے جس کسی چیز کی نفی وارد ہے، ا
کی نفی کا عقیدہ رکھنے کے ساتھ ساتھ، اس کے بالمقابل جو صفتِ کمال ہے، اس کے اللہ تعالیٰ ک
اثبات کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ یعنی وہ منفی صفتِ نقص اس کے مقابل صفتِ کمال کو اپنے ضم
میں لیئے ہوتی ہے۔ (یہ اسلوب قرآن مجید نے بھی سکھایا ہے) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اِنَّهُ كَانَ عَلِي
قَدِيْرًا ﴾ (فاطر:۴۴)

ترجمہ: ''اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اس کو ہرا دے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین می
بڑے علم والا، بڑی قدرت والا ہے''

اب یہاں اللہ تعالیٰ سے عجز کی نفی ہے، لہذا یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ دنیا کی کوئی چیز
تعالیٰ کو عاجز نہیں کرسکتی، عجز کے بالمقابل جو صفتِ کمال ہے وہ قدرت ہے، لہذا یہ عق
رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، یہی وجہ ہے مذکور آیتِ کریمہ میں عجز کی نفی
بعد، آخر میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ ''قدیر'' وارد ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا
لُّغُوْبٍ ﴾ (ق:۳۸)

ترجمہ: ''یقیناً ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان میں ہے سب کو (صرف)
دن میں پیدا کر دیا اور ہمیں تھکان نے چھوا تک نہیں''

یہاں اللہ تعالیٰ سے تعب اور تھکاوٹ کی نفی ہے، جس کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے، ساتھ سا

اس کے مقابل یعنی اس ذات کے قادر ہونے کا عقیدہ رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ وَلَا یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا ﴾ (الکھف:۴۹)

ترجمہ: ''تیرا رب کسی پر ظلم وستم نہ کرے گا''

یہاں اللہ تعالیٰ سے ظلم کی نفی، اس کے کمالِ عدل کی صفت سے متصف ہونے کو متضمن ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّکَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَلَا اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَکْبَرَ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ ﴾ (یونس:۶۱)

ترجمہ ''اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ کوئی چیز بڑی مگر سب کتاب مبین میں ہے''

(یہاں اللہ تعالیٰ سے عزوب (کسی چیز کا مخفی ہونا) کی نفی، اس کے کمالِ علم کی صفت سے متصف ہونے کو ضمن میں لیئے ہوئے ہے۔

اس انتہائی لطیف نکتے سے جہاں اللہ رب العزت کی عظمت وجلالت شان کی معرفت مقصود ہے وہاں علماءِ متکلمین کا رد بھی پیشِ نظر ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جن امور کی نفی کی ہے وہ نفی کسی صفتِ کمال پر دلالت نہیں کر رہی ہوتی بلکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کیلئے تشبیہ بالمعدومات کے خطرناک عقیدہ میں دھکیل دینے کا باعث بن جاتی ہے اس کی کچھ وضاحت قائدہ نمبر ۲ میں ہو چکی ہے۔

۲۔قولہ: " لیس لأولیته ابتداء، ولا لآخریته انقضاء."

''اس کی اولیت کی کوئی ابتداء نہیں، اور اس کی آخریت کی کوئی انتہاء نہیں۔''

شرح

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ''الاوّل'' اور ''الآخر'' بھی ہیں

ابن ابی زید کا یہ کلام اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے:

﴿ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾ (الحدید:۳)

ترجمہ:''وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے، وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی، اور وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ رب العزت کیلئے صفتِ'' اَلْأَوَّلُ ''اور صفتِ'' اَلْآخِرُ ''کا اثبات ہے، صفتِ'' اَلْأَوَّلُ '' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شی سے پہلے ہے اور صفتِ'' اَلْآخِرُ ''اللہ تعالیٰ کے بقاء، دوام اور آخریت پر دال ہے......اس آیتِ مبارکہ میں جو اللہ تعالیٰ کے نام مذکور ہیں ان کی تفسیر رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث میں بھی وارد ہے، یہ حدیث درحقیقت نبی ﷺ کی ایک دعا پر مشتمل ہے، جس کے راوی ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ ہیں، ملاحظہ ہو:

[اللهم أنت الأول فليس قبلك شيء، وأنت الآخر فليس بعدك شيء، وأنت الظاهر فليس فوقك شيء وأنت الباطن فليس دونك شيء، اقض عنا الدين وأغننا من الفقر] (صحیح مسلم ۲۷۱۳)

ترجمہ:[اے اللہ تو ''الأول'' ہے، تجھ سے قبل کوئی چیز نہیں، اور تو ''الآخر'' ہے، تیرے بعد کوئی چیز نہیں، اور تو ''الظاهر'' ہے، تیرے اوپر کوئی چیز نہیں، اور تو ''الباطن'' ہے، تیرے دون کوئی چیز نہیں، ہمارا قرض ادا کر دے اور ہمیں فقر سے بچا کر غنا عطا فرما دے]

ابن ابی زید کے مذکورہ کلام ''لیس لأولیته ابتداء ولا لآخریته انقضاء'' سے مراد یہ

ہے کہ عدم، اللہ تعالیٰ کو نہ تو پہلے کبھی حاصل تھا۔ نہ بعد میں کبھی لاحق ہوگا، جبکہ مخلوقات کا معاملہ یہ ہے کہ ان کیلئے ابتداء بھی ہے اور انتہاء بھی...... ایسی ابتداء جس سے پہلے عدم تھا، اور ایسی انتہاء جس کو عدم لاحق ہوگا۔

واضح ہو کہ قرآن وحدیث میں، جنت اور جہنم اور اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے بقاء اور دوام کا ذکر ہے، تو کیا یہ اللہ رب العزت کی آخریت کے منافی نہیں ہے؟

جواب یہ ہے کہ جنت اور جہنم وغیرہ کا بقاء اور دوام اللہ تعالیٰ کے بقاء اور دوام کے منافی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا بقاء اور دوام اور آخریت اس کی ایک صفت ہے جو اس کے ساتھ لازم ہے (یعنی صفتِ ذاتی ہے) جبکہ جنت اور جہنم اور اہلِ جنت وجہنم کا بقاء ودوام اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور ذاتِ حق کی مشیت وارادہ کے تابع ہے، اگر وہ نہ چاہتا تو انہیں یہ بقاء اور دوام کبھی حاصل نہ ہوتا۔ یہی بات ابن ابی العز نے عقیدۂ الطحاویہ کی شرح میں لکھی ہے:

”وبقاء الجنة والنار ليس لذاتهما ، بل بإبقاء الله لهما“

یعنی جنت اور جہنم کا ہمیشہ قائم رہنا ان کی صفتِ ذاتیہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے انہیں دوام عطا فرمانے کی وجہ سے وہ ہمیشہ قائم رہیں گی۔

واضح ہو کہ مؤلف رحمہ اللہ کی مذکورہ تعبیر ”ليس لأوليته ابتداء ولا لآخريته انقضاء“ ”امام طحاوی کی تعبیر“ قديم بلا ابتداء ، دائم بلا انتهاء “سے بہتر ہے، یعنی ابن ابی زید نے اللہ تعالیٰ کیلئے ”الأول“ اور ”الآخر“ کی صفت کا ذکر فرمایا ہے، جبکہ طحاوی نے اس کی جگہ ”قديم“ اور ”دائم“ کے الفاظ استعمال کیئے ہیں...... دونوں کی تعبیر کا مقصود اگرچہ ایک ہی ہے لیکن ابن ابی زید کی تعبیر، طحاوی کی تعبیر سے اس لیئے بہتر ہے کہ ابن ابی زید نے اس معنی کو بیان کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے دو اسماءِ حسنیٰ ”الأول“ و ”الآخر“ کا ذکر فرمایا ہے (جبکہ طحاوی کے ذکر کردہ دونوں الفاظ اسماءِ حسنیٰ میں سے نہیں ہے)

۳۔قولہ:" لایبلغ کنہ صفتہ الواصفون ، ولا یحیط بأمرہ المتفکرو
یعتبر المتفکرون بآیاتہ ،ولا یتفکرون فی ماھیۃ ذاتہ۔"

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرنے والے اس کی کسی صفت کی ماہیت وکیفیت تک
نہیں پہنچ سکتے اور تفکر کرنے والے اس کے کسی امر کا احاطہ نہیں کر سکتے ،تفکر کرنے والے ا
کی آیات سے نصیحت وعبرت اخذ کرتے ہیں لیکن اس کی ذات کی حقیقت وکیفیت پر غ
وخوض اور بحث وتمحیص نہیں کرتے۔''

شرح

اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرنے والے اس کی کسی صفت کی ماہیت وکیفیت تک نہیں پہنچ سکتے کی شرح

أھل السنۃ ،اللہ تعالیٰ کی وہ صفات بیان کرتے ہیں ،جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ
بیان فرمادی ہیں ،اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کیلئے اس طرح ثابت ہیں ج
اس کی ذات کے لائق ہیں ،وہ ان صفات کے معانی جانتے ہیں ،کیفیت نہیں جانتے ،وہ اللہ تع
کیلئے صفات کا اثبات واقرار کرتے ہیں ،ان صفات کی کیفیات پر بحث وتمحیص نہیں کرتے
چنانچہ وہ صفات کی کیفیت کے تعلق سے نہ کہ معنی کے تعلق سے تفویض کا عقیدہ رکھتے ہیں (
صفات کی کیفیات کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے)،جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ کے مشہور ق
میں اس کی صراحت ہے ،جب ان سے اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کی کیفیت کے متعلق پو
گیا تو انہوں نے فرمایا تھا:

''اللہ تعالیٰ کا مستوی علی العرش ہونا معلوم ہے ،لیکن مستوی ہونے کی کیفیت نامعلوم ہے ،ل
اس کا مستوی علی العرش ہونے پر ایمان لانا واجب ہے اور استواء کی کیفیت کا سوال بدعت ہے

ابن ابی زید کے مذکورہ کلام کا معنی یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی صفات کی کیفیات کی معرفت کی کوئی شخص طاقت وصلاحیت نہیں رکھتا، کیونکہ کیفیاتِ صفات وہ امرِ غیبی ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ابن ابی زید کا یہ فرمانا: کہ "تفکر کرنے والے اللہ تعالیٰ کے کسی امر کا احاطہ نہیں کر سکتے" اس سلسلہ میں واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کے امر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) امرِ کونی قدری: یعنی اللہ تعالیٰ کے وہ امر جو اس کون (کائنات) کے امور سے متعلق ہیں۔

(۲) امر دینی شرعی: یعنی اللہ تعالیٰ کے وہ امر جو دین اور شریعت سے متعلق ہیں۔

امرِ کونی کی مثال، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴾ (یٰس:۸۲)

ترجمہ: "وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے اتنا فرما دینا (کافی ہے) کہ ہو جا، وہ اسی وقت ہو جاتا ہے"

امرِ شرعی کی مثال: ﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ ﴾ (النحل:۹۰)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ عدل کا، بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے"

امر خواہ کونی ہوں یا شرعی، سب کے سب اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت پر مشتمل ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کائنات میں جو کچھ مقدر فرماتا ہے، کسی حکمت کے تحت فرماتا ہے، اسی طرح شریعت اور دین کے تعلق سے جو امر و نہی فرماتا ہے کسی حکمت کے تحت فرماتا ہے......

بندے امرِ کونی اور امرِ شرعی کے حوالے سے کچھ حکمتیں تو پہچان لیتے ہیں، لیکن اس خلق و شرع میں پنہاں اللہ تعالیٰ کی تمام حکمتوں کا احاطہ ان کے بس کی بات نہیں ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ وہ

امرِ کونی کے تعلق سے تقدیر پر ایمان لے آئیں، اور امرِ شرعی کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کی شریعت (کتاب وسنت) کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دیں، خواہ کسی شئی یا مسئلہ کی حکمت یا حکمتیں معلوم ہوسکیں یا نہ ہوسکیں۔

جب انہیں کسی شئی کی حکمت معلوم ہوجاتی ہے تو ان کا ایمان ویقین بڑھ جاتا ہے، اور اگر کسی امر کی خواہ وہ کونی ہو یا شرعی کی حکمت معلوم نہ ہوسکے تو وہ اپنی اصل ذمہ داری سے منحرف نہیں ہوتے اور وہ ذمہ داری یہ ہے کہ امرِ کونی کے تعلق سے تقدیر پر ایمان، اور امرِ شرعی کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے انقیاد وتسلیم کا مظاہرہ کریں (یعنی قال اللہ وقال رسول اللہ کے پابند ہو کر رہیں اور اس دائرہ سے قطعی باہر نہ نکلیں)

تفکر کرنے والے اللہ تعالیٰ کے کسی امر کا احاطہ نہیں کرسکتے

ابن ابی زید کا کلام "ولا یحیط بأمرہ المتفکرون" سے مقصود یہی ہے کہ تفکر کرنے والے اللہ تعالیٰ کے احکام کے حِکم واسرار کا احاطہ نہیں کرسکتے۔ یہ مقصود نہیں ہے کہ وہ احکامِ شریعت کی معرفت حاصل نہیں کرسکتے، کیونکہ احکامِ شریعت کی معرفت حاصل کرنا اور پھر ان پر عمل کرنا تو شرعی مطلوب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان اس نکتے کو مزید واضح کرے گا:

[ما نہیتکم عنہ فاجتنبوہ، وما أمرتکم بہ فافعلوا منہ ما استطعتم]
(صحیح بخاری ۷۲۸۸، صحیح مسلم ۱۳۳۷)

ترجمہ: [جس چیز سے روکوں اس سے باز آجاؤ، اور جس چیز کا حکم دوں اسے طاقت کے بقدر ضرور انجام دو] (چنانچہ ان احکام کو سمجھنا اور عمل کرنا تو امرِ مستطاع ہے، لیکن ان میں پنہاں اسرار ورموز کا احاطہ ہماری طاقت سے خارج ہے)

تفکر کرنے والے اللہ تعالیٰ کی آیات سے نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہیں

مؤلف رحمہ اللہ نے فرمایا: "تفکر کرنیوالے اسکی آیات سے نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہیں"

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) آیاتِ شرعیہ (۲) آیاتِ کونیہ

آیاتِ شرعیہ: سے مراد وہ آیات ہیں جن پر قرآن کریم مشتمل ہے، جبکہ

آیاتِ کونیہ: سے وہ نشانیاں جو اللہ تعالیٰ کی خلق میں موجود ہیں: مثلاً: رات، دن، چاند اور سورج وغیرہ۔

آیاتِ شرعیہ سے نصیحت وعبرت حاصل کرنے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾ (القمر:۱۷)

ترجمہ: ''اور بیشک ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کر دیا ہے پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے''

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴾ (محمد:۲۴)

ترجمہ: ''کیا قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے ؟ یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں''

نیز یہ فرمان ہے: ﴿ كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴾ (ص:۲۹)

ترجمہ: ''اور یہ بابرکت کتاب جسے ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور وفکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں''

جبکہ آیاتِ کونیہ سے نصیحت وعبرت حاصل کرنے کی دلیل درج ذیل آیات ہیں:

﴿ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ. الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾

(آل عمران:۱۹۰، ۱۹۱)

ترجمہ: ''آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں ک
نشانیاں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں
آسمان وزمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! تو نے ی
فائدہ نہیں بنایا، تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے''

﴿ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ ا
تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْ
الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَ
بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ ﴾ (البقرۃ:۱۶۴)

ترجمہ: ''آسمان اور زمین کی پیدائش، رات دن کا ہیر پھیر، کشتیوں کا لوگوں کو نفع دی
چیزوں کو لئے ہوئے سمندروں میں چلنا، آسمان سے پانی اتار کر، مردہ زمین کو زندہ کر دی
میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا، ہواؤں کے رخ بدلنا، اور بادل، جو آسمان اور زمی
درمیان مسخر ہیں، ان میں عقلمندوں کیلئے قدرت الٰہی کی نشانیاں ہیں''

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ أَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَاۤ أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ. وَمِنْ اٰي
خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً إ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ. وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْ
أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ. وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَ
وَابْتِغَاؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ. وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيكُمُ
خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاۤءً فَيُحْيِ بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَاۤ إِنَّ فِي
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ. وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ أَنْ تَقُوْمَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهٖ ثُمَّ إِذَا د
دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ إِذَاۤ أَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴾ (الروم:۲۰ تا ۲۵)

ترجمہ: ''اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اب انسان بن کر (چلتے پھرتے) پھیل رہے ہو۔ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان سے آرام پاؤ اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی، یقیناً غور وفکر کرنے والوں کیلئے اس میں بہت سے نشانیاں ہیں۔ اس (کی قدرت) کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف (بھی) ہے، دانش مندوں کیلئے اس میں یقیناً بڑی نشانیاں ہیں۔ اور (بھی) اس کی (قدرت) کی نشانی تمہاری راتوں اور دن کی نیند میں ہے اور اس کے فضل (یعنی روزی) کو تمہارا تلاش کرنا بھی ہے۔ جو لوگ (کان لگا کر) سننے کے عادی ہیں ان کیلئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ (بھی) ہے کہ وہ تمہیں ڈرانے اور امیدوار بنانے کیلئے بجلیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے بارش برساتا ہے اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے، اس میں (بھی) عقلمندوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ آسمان وزمین اسی کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب وہ تمہیں آواز دے گا صرف ایک بار کی آواز کے ساتھ ہی تم سب زمین سے نکل آؤ گے''

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴾ (حم السجدة:۳۷)

ترجمہ: ''اور دن رات اور سورج چاند بھی (اس کی) نشانیوں میں سے ہیں، تم سورج کو سجدہ نہ کرو نہ چاند کو بلکہ سجدہ اس اللہ کیلئے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا، اگر تمہیں اسی کی عبادت کرنی ہے''

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهِ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَا اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (حم السجدة:۳۹)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے (یہ بھی) ہے کہ تو زمین کو دبی دبائی دیکھتا ہے پھر

جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ تروتازہ ہوکر ابھرنے لگتی ہے، جس نے اسے زندہ کیا وہی یقینی طور پر مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے، بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے"

غوروفکر کرنے والے اللہ تعالیٰ کی ذات کی کیفیت وماہیت میں تفکر نہیں کرتے

مؤلف رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:''ولا یتفکرون فی ماھیة ذاته '' یعنی غوروفکر کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی ذات کی کیفیت وماہیت میں تفکر نہیں کرتے......

اس سلسلہ میں واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے ساتھ خالق ہے، اور باقی ہر شئ اس کی مخلوق ہے، گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت کے تعلق سے ہمارا عقیدہ، عقیدۂ تفویض ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں، ہمیں ان صفات کا صرف معنی معلوم ہے، کیفیت نہیں...... چنانچہ جس طرح اس کی صفات کی کیفیت کے بارہ میں بحث وتمحیص جائز نہیں ہے اسی طرح اس کی ذات کی کیفیت کے بارہ میں بحث وتمحیص جائز نہیں ہے، مذکورہ جملہ میں اس عقیدہ کا اظہار ہے کہ تفکر کرنے والے اللہ تعالیٰ کی ذات کی ماہیت اور کیفیت کے بارہ میں تفکر نہیں کرتے۔

۴۔ قولہ ﴿ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ، وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴾

(البقرۃ:۲۵۵)

ترجمہ: ''وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے، مگر جتنا وہ چاہے، اس کی کرسی کی وسعت نے زمین وآسمان کو گھیر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت سے نہ تھکتا اور نہ اکتاتا ہے، وہ بہت بلند اور بہت بڑا ہے''

شرح

علم الغیب اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے

یہ چاروں جملے عظیم الشان آیت (آیت الکرسی) کا حصہ ہیں، آیت الکرسی کل دس جملوں پر مشتمل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا درج ذیل فرمان (ایک مکمل آیت) دس جملوں پر مشتمل ہے۔

﴿ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴾ (الشوریٰ:۱۵)

ترجمہ: ''پس آپ لوگوں کو اسی طرف بلاتے رہیں اور جو کچھ آپ سے کہا گیا ہے اس پر مضبوطی سے جم جائیں اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیں اور کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم میں انصاف کرتا رہوں، ہمارا اور تمہارا سب کا پروردگار اللہ ہی ہے ہمارے اعمال ہمارے لیئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیئے ہیں ہم میں تم میں کوئی کٹ حجتی نہیں اللہ تعالیٰ ہم (سب) کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے''

اس عظیم نکتہ کی طرف حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورۃ شوریٰ میں مذکورہ آیت کی تفسیر کے موقع پر اشارہ فرمایا ہے۔

قولہ: ﴿ وَلَا یُحِیطُونَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾ (البقرۃ:۲۵۵)

ترجمہ: ”وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے، مگر جتنا وہ چاہے“

اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت، صفتِ علم ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر شئی کو محی

ہے، جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

﴿ لِتَعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴾

ترجمہ: ”تا کہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو باعتبار علم گھیر رک

ہے“ (الطلاق:۱۲)

جہاں تک مخلوقات کا تعلق ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں سے کچھ بھی نہیں جانتے، اور کو

مخلوق کچھ جان بھی پاتی ہے تو صرف اس قدر جو خود اللہ تعالیٰ سکھا دے اور تعلیم فرما دے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا یُحِیطُونَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾ (البقرۃ:۲۵۵)

ترجمہ: ”وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے، مگر جتنا وہ چاہے“

نیز فرمایا: ﴿ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیطُونَ بِهٖ عِلْمًا ﴾ (طٰہٰ:۱۱۰)

ترجمہ: ”جو کچھ ان کے آگے پیچھے ہے اسے اللہ ہی جانتا ہے مخلوق کا علم اس پر حاوی نہ

ہو سکتا“

نیز فرمایا: ﴿ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْ

فَاِنَّهٗ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴾ (الجن:۲۶،۲۷)

ترجمہ: ”وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، سوائے اس پیغمبر

جسے وہ پسند کر لے لیکن اس کے بھی آگے پیچھے پہرے دار مقرر کر دیتا ہے“

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی نوح علیہ السلام کے متعلق قرآنِ حکیم میں یہ خبر دی ہے کہ وہ ف

کرتے تھے:

﴿ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ ﴾

ترجمہ: "میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، (سنو!) میں غیب کا علم بھی نہیں رکھتا، نہ میں کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں" (ھود:۳۱)

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنی امت کو بتادیں کہ وہ غیب کا علم نہیں رکھتے، چنانچہ فرمایا:

﴿ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ﴾ (الانعام:۵۰)

ترجمہ: "آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے اس کی اتباع کرتا ہوں"

نیز فرمایا: ﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴾ (الاعراف:۱۸۸)

ترجمہ: "آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کیلئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا، مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ نے چاہا اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سا منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں"

اور اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے بارہ میں خبر دی:

﴿ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴾

ترجمہ: ''سب نے کہا اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے، پورے علم وحکمت والا تو تو ہی ہے'' (البقرۃ:۳۲)

اور اللہ تعالیٰ نے جنوں کے متعلق خبر دی:

﴿ وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴾

ترجمہ: ''ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے ساتھ بھلائی کا ہے'' (الجن:۱۰)

نیز فرمایا ﴿ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴾ (سبا:۱۴)

ترجمہ: ''پس جب (سلیمان) گر پڑے اس وقت جنوں نے جان لیا کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے''

اور اللہ تعالیٰ نے (عمومی طور پر پوری کائنات کے تعلق سے) فرمایا:

﴿ قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴾ (النمل:۶۵)

ترجمہ: ''کہہ دیجئے کہ آسمانوں والوں میں سے اور زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا، اور انہیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ کب اٹھا کھڑے کیئے جائیں گے''

اور اگر ذخیرہ احادیث کا تصفح کریں، تو ایسی بے شمار احادیث ملیں گی جو ایسے بہت سے امور کے بیان پر مشتمل ہیں جنہیں رسول اللہ نہیں جانتے تھے، مثلاً: قصۂ افک، چنانچہ آپ ﷺ کو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کی براءت کا علم سورۃ النور کی آیاتِ متعلقۂ براءت کے نزول کے بعد ہوا۔ اسی طرح اس ہار کا واقعہ جو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے ایک سفر کے موقع پر گم ہو گیا تھا، سب اس کی کھوج میں وہیں رک گئے، بہت تلاش بسیار کے باوجود وہ نہ مل

سکا، پانی بھی ختم ہو چکا تھا، نمازِ فجر لیٹ ہونا شروع ہو گئی (بڑی پریشان کن صورتحال بن چکی تھی) اس اثناء میں تیمم کا حکم نازل ہوا (تیمم کر کے نماز ادا کی گئی) اور جب وہاں سے کوچ کرنے کی غرض سے عائشہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ اٹھایا گیا تو ہار اس کے نیچے پڑا ہوا ملا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ آیت الکرسی کے اندر فرمانِ باری تعالیٰ ﴿ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

" اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے علم میں سے کسی بھی شی پر کوئی بھی، کچھ مطلع نہیں ہو سکتا، مگر صرف اسی قدر جو اللہ تعالیٰ خود کسی چیز کے علم، یا خبر سے مطلع فرما دے۔ یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اس علم سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم ہو، چنانچہ اس کی ذات وصفات کے تعلق سے کوئی، کچھ نہیں جان سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کوئی علم فراہم نہ فرمائے، جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا﴾ (طہ:۱۱۰) ترجمہ:"مخلوق کا علم اس پر حاوی نہیں ہو سکتا"

واضح ہو کہ آیت الکرسی میں جس کرسی کا ذکر ہے، اور جس کے متعلق فرمایا کہ وہ آسمانوں اور زمینوں پر وسیع اور حاوی ہے...... وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے، اور مستدرک حاکم (۲۸۲/۲) میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنھما کی (موقوف) روایت سے ثابت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے دونوں قدم رکھنے کی جگہ ہے۔ امام حاکم نے فرمایا کہ اس حدیث کو نبی ﷺ نے روایت نہیں کیا، لیکن یہ بخاری ومسلم کی شرط پر ہے، حاکم کے اس قول پر امام ذھبی نے بھی کوئی نقد وارد نہیں کیا، البتہ اس کی سند کا ایک راوی "عمار الدھنی" صحیح مسلم کے رواۃ میں سے ہے جبکہ صحیح بخاری میں اس کی کوئی روایت نہیں ہے...... شیخ البانی رحمہ اللہ کے "السلسلة الضعيفة" رقم (۹۰۶) میں اس کی مفصل تخریج دیکھ لیجئے، اس حدیث کو مرفوع نقل کرنا ضعیف ہے (لیکن "موقوفا علی عبد اللہ بن عباس" صحیح ہے، اور یہ بحکم مرفوع ہے، کیونکہ اس قسم کی اخبار میں عقل ورائے کا کوئی کمال نہیں، فافہم)

واضح ہو کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ایک دوسرے اثر میں کرسی کی تفسیر علم سے کی گئی ہے، لیکن اس کی سند میں جعفر بن ابی المغیرۃ ہے جو سعید بن جبیر سے روایت کر رہا ہے، اس کے متعلق حافظ ابن حجر ''التقریب التھذیب'' میں فرماتے ہیں: ''یہ صدوق تھا لیکن وہم کرتا تھا''، حافظ ابن مندہ رحمہ اللہ ''کتاب الرد علی الجھمیۃ'' میں فرماتے ہیں: اس روایت میں جعفر کا کوئی متابع بھی نہیں ہے اور ویسے بھی سعید بن جبیر سے روایت کرنے میں قوی نہیں ہے، امام ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' (۱/۴۱۷) میں اس کے بارہ میں ابن مندہ کی مذکورہ جرح کر کے مزید فرمایا ہے: اسے ابن ابی حاتم نے ذکر کیا ہے، اور اس پر کسی قسم کی کوئی توثیق نہیں کی، بلکہ سکوت فرمایا ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ اھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: عرش اور کرسی حق ہے۔

قولہ تعالیٰ ﴿وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا﴾ سے مراد یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت نہ تو اس پر کوئی امرِ شاق ہے اور نہ ہی کسی طرح سے گراں اور بوجھل...... یہ ایک ایسی نفی ہے، جو اس کے بالمقابل اللہ تعالیٰ کیلئے کمالِ قدرت کی صفت سے متصف ہونے کے اثبات کو متضمن ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے اندر ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کی حفاظت اللہ تعالیٰ کیلئے قطعی کوئی مشکل یا بھاری نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس انتہائی سہل اور آسان ہے۔

آیت الکرسی کے آخر میں ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ ہے، ''العلی'' اور ''العظیم'' اللہ رب العزت کے دو مبارک نام ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی دو صفات پر مشتمل ہیں ''العلی'' میں صفتِ علو ہے، اور ''العظیم'' میں صفتِ عظمت ہے۔

واضح ہو کہ علو (بلندی) کی تین قسمیں ہیں:

(۱) علو القدر، یعنی مرتبہ و مقام کی بلندی۔

(۲) علو القہر ، یعنی قہر وغلبہ کی بلندی۔

(۳) علو الذات یعنی ذات کا ہر ایک پر بلند ہونا۔

اللہ رب العزت کی صفتِ علو میں تینوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔ اور رب تعالیٰ کا نامِ مبارک "العلی" قرآنِ حکیم میں دیگر تین مبارک ناموں کیساتھ ملکر آیا ہے، وہ تین نام ہیں: "العظیم"، "الحکیم" اور "الکبیر"

"العظیم" کے ساتھ ملکر آیت الکرسی اور سورۂ شوریٰ کے ابتداء میں آیا ہے، جبکہ "الکبیر" کے ساتھ مقترن ہوکر سورۂ النساء میں آیا ہے: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴾ اس کے علاوہ سورۂ الحج اور سورۂ لقمان میں آیا ہے: ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴾ جبکہ "الحکیم" کے ساتھ سورۂ الشوریٰ کے آخر میں مقترن ہوکر آیا: ﴿ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴾

۵. قوله: " العالم الخبير المدبر القدير السميع البصير العلي الكبير "

ترجمہ: "وہ عالم، خبیر، مدبر، قدیر، سمیع، بصیر، بلند اور بڑا ہے"

شرح

العلو ، القدرة، السمع اور البصر اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں

ان صفات کا مفہوم مختصرا درج کیا جاتا ہے۔

"العالم" اور "الخبیر" اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے دو مبارک نام ہیں، جو علم رکھنے اور خبر گیری فرمانے کی صفت پر مشتمل ہیں۔

کتاب کے بعض نسخوں میں "العالم" کی جگہ "العلیم" مذکور ہے۔ اور "العلیم" "العالم" کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے، اس کی دو وجوہ ہیں:

ایک یہ کہ صفتِ ''العلیم'' قرآن پاک میں بکثرت مطلقاً بلا قید وارد ہوئی ہے، جبکہ صفت ''العالم'' ہر جگہ علمِ غیب کے ساتھ مقید ہو کر وارد ہوئی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ (التغابن:١٨)

ترجمہ: ''غیب اور ظاہر کا جاننے والا ہے زبردست حکمت والا ہے''

نیز فرمایا: ﴿ عَالِمُ الْغَيْبِ وَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ﴾ (الجن:٢٦)

ترجمہ: ''وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا''

نیز فرمایا: ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ﴾

ترجمہ: ''عالم الغیب ہے، اس سے ایک ذرہ کے برابر کی بھی چیز پوشیدہ نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں'' (السبأ:٣)

دوسری وجہ یہ ہے کہ اسمِ مبارک ''العلیم'' قرآنِ حکیم میں بہت سے مقامات پر اسمِ مبارک ''الخبیر'' کے ساتھ مقروناً ذکر ہوا ہے، جبکہ اسمِ مبارک ''العلیم'' ہمیشہ مقدم ہی ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴾ (الحجرات: ١٣)

ترجمہ: ''تم میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے بے شک اللہ جاننے والا اور باخبر ہے''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ قَالَتْ مَنْ أَنبَأَكَ هَٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ﴾ (التحریم:٣)

ترجمہ: ''اس نے کہا اس کی خبر آپ کو کس نے دی، کہا سب جاننے والے پوری خبر رکھنے والے اللہ نے مجھے یہ بتلا دیا''

''القدیر'' اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں میں سے ایک نام ہے، جو صفتِ ''القدرۃ'' پر دال

ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾

ترجمہ:''اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو ان میں موجود ہیں اور وہ ہر شئی پر پوری قدرت رکھتا ہے'' (المائدۃ:۱۲۰)

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر شئی پر وسیع اور حاوی ہے۔(کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے احاطۂ قدرت سے خارج نہیں)اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴾ (الفاطر:۴۴)

ترجمہ:''اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اس کو عاجز کر دے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔وہ بڑے علم والا،بڑی قدرت والا ہے''

نیز فرمایا:﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴾ (الاحزاب:۲۷)

ترجمہ:''اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''

واضح ہو کہ''اَلْمُدَبِّرُ''ہمارے علم کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے نہیں ہے،البتہ اللہ تعالیٰ کا امورِ کائنات کی تدبیر فرمانے کی صفت سے متصف ہونا مذکور و معلوم ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ ﴾ (یونس:۳)

ترجمہ:''بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کر دیا پھر عرش پر قائم ہوا وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے،اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کے پاس سفارش کرنے والا نہیں''

نیز فرمایا: ﴿ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴾ (السجدۃ:۵)

ترجمہ: ''وہ آسمان سے لیکر زمین تک (ہر) کام کی تدبیر کرتا ہے پھر (وہ کام) ایک دن میں اس کی طرف چڑھ جاتا ہے جس کا اندازہ تمہاری گنتی کے ایک ہزار سال کے برابر ہے''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اکیلا ہی جس طرح چاہتا ہے امورِ کائنات کی تدبیر اور ہر قسم کا تصرف فرماتا ہے، اس کے سوا کوئی معبودِ حق نہیں ہے۔

''السمیع، البصیر'' اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں میں سے دو مبارک نام ''السمیع'' اور ''البصیر'' ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ علیٰ میں سے دو مبارک صفات پر دلالت کرتے ہیں، وہ صفات ''السمع'' یعنی سننا اور ''البصر'' یعنی دیکھنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت ''السمع'' ہر سنی جانی والی چیز، جبکہ صفت ''البصر'' ہر دیکھی جانے والی چیز پر حاوی ومحیط ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَکِیْٓ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَکُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ ﴾ (مجادلۃ:۱)

ترجمہ: ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سنی، جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اللہ تعالیٰ کے آگے شکایت کر رہی تھی، اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال و جواب سن رہا تھا، بے شک اللہ تعالیٰ سننے دیکھنے والا ہے''

اس ایک ہی آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی صفت 'السمع' تین طرح سے وارد ہوئی ہے، ایک ''سَمِعَ'' بصیغۂ ماضی، دوسری ''یَسْمَعُ'' بصیغۂ مضارع اور تیسری ''سَمِیْعٌ'' بطور اسم۔

یہ دونوں اسم ''السمیع، البصیر'' بہت سی آیات میں ایک ساتھ اکٹھے وارد ہوئے ہیں، مثلاً:

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴾ (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ: ''اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴾

ترجمہ: ''یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ تعالیٰ کر رہا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سنتا ہے دیکھتا ہے'' (النساء:۵۸)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ وَاللّٰهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (غافر:۲۰)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ حق فیصلہ کر دے گا، اس کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب سنتا خوب دیکھتا ہے''

''العلی، الکبیر'' اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے دو مبارک نام ہیں اول الذکر صفتِ ''العلو'' (سب سے بلند ہونا) اور ثانی الذکر صفت ''الکبیر'' (سب سے بڑا ہونا) پر دال ہے۔

اللہ تعالیٰ باعتبار قہر وغلبہ، باعتبار قدر و مرتبہ اور باعتبار ذات، سب سے بلند ہے، اور ہر کبیر و عظیم سے اکبر، و اعظم ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کے سامنے ہر مخلوق حقیر و صغیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اسمِ مبارک ''العلی'' بہت سی آیات میں اسم مبارک ''الکبیر'' کے ساتھ اکٹھا ذکر ہوا ہے، اس سلسلہ میں کچھ آیات گزر چکی ہیں، یہ آیت کریمہ بھی ملاحظہ ہو:

﴿ حَتّٰى إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴾ (السبا:۲۳)

ترجمہ: ''یہاں تک کہ جب انکے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو پوچھتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا اور وہ بلند و بالا اور بہت بڑا ہے''

۲. قوله: '' وأنه فوق عرشه المجيد بذاته ،وهو في كل مكان بعلمه''

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ بذاتہ اپنے عرشِ عظیم پر ہے، جبکہ بعلمہ ہر جگہ موجود ہے۔''

شرح

اللہ تعالیٰ کے بذاتہ اپنے عرش پر ہونے کا اثبات

مؤلف ابن ابی زید رحمہ اللہ نے جب گذشتہ صفحات میں یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ''العلی'' (سب سے بلند) ہے اور یہ بھی بتایا کہ یہ نامِ مبارک کبھی تو ''العظیم'' کیساتھ اور کبھی ''الکبیر'' کیساتھ ملکر وارد ہوا ہے، تو اب یہ بتانا مناسب سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کا ''العلو'' یعنی (بلند ہونا) اور اس کا عرش کے اوپر ہونا بذاتہ ہے، یعنی وہ اپنی ذات کیساتھ سب سے بلند، اور اپنی ذات کیساتھ اپنے عرش پر مستوی ہے۔ چنانچہ جس طرح وہ باعتبارِ قہر وغلبہ اور باعتبارِ قدر ومرتبہ سب سے بلند ہے اسی طرح باعتبارِ ذات بھی سب سے بلند اور اوپر ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کو یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض مبتدعہ اللہ تعالیٰ کے علو کو محض علوِ مقام ومرتبہ اور علوِ قہر وغلبہ قرار دیتے ہیں (علوِ ذات کو نہیں مانتے) وہ اللہ تعالیٰ کے علو اور فوقیت علی العرش کی استیلاء یعنی محض غلبہ پانے کے ساتھ تاویل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ حقیقتاً اپنے عرش پر نہیں ہے۔ چنانچہ مؤلف رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے بذاتہ عرش پر ہونے کی تعبیر فرما کر ان لوگوں پر رد فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کے علو کو علوِ حقیقی نہیں، بلکہ علوِ مجازی قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بذاتہ عرش پر مستوی ہونے کی تعبیر ان لوگوں کی وجہ سے اختیار کرنی پڑی جو اللہ تعالیٰ کے بذاتہ عرش پر ہونے کو نہیں مانتے، جیسا کہ سلفِ صالحین سے قرآن کے غیر مخلوق ہونے کی تعبیر وارد ہے، اور انہیں یہ تعبیر ان گمراہ عناصر کے رد کیلئے اختیار کرنی پڑی جو قرآن پاک کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔

مؤلف رحمہ اللہ کے فرمان: ''وهو في كل مكان بعلمه'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے علم کے

ساتھ ہر جگہ ہے، سے ان لوگوں کی نفی اور تردید مقصود ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارہ میں حلول واتحاد کا عقیدہ رکھتے ہیں، جن کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ (والعیاذ باللہ) اپنی مخلوقات کے اندر حلول کیئے ہوئے ہے، ان کے ساتھ متحد اور ان کے اندر مختلط ہے۔ یہ بھلا کیسے ممکن ہے؟ اللہ تعالیٰ تو خالق ہے، اور اس کے ماسوا ہر چیز مخلوق ہے، ہر مخلوق پہلے معدوم تھی اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا۔ تو پھر لامحالہ ان مخلوقات کا وجود، ان کے خالق سے الگ، جدا اور مباین ہوگا، اور یہ عین حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات سے الگ ہے، نہ تو مخلوقات، خالق کے اندر حلول کئے ہوئے ہیں، نہ خالق مخلوقات کے اندر حلول کئے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ معیت، یعنی مخلوقات کے ساتھ ہونے سے مراد، باعتبارِ علم ساتھ ہونا ہے، جیسا کہ مؤلف ابن ابی زید کے قول: ''وھو فی کل مکان بعلمه'' سے واضح ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ مَا يَكُونُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ (المجادلۃ:۷)

ترجمہ: ''تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ مگر ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کا اور نہ زیادہ کا مگر وہ ساتھ ہی ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں، پھر قیامت کے دن انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے''

یہ آیتِ کریمہ جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ معیت کی صفت کا ذکر کر رہی ہے، اس کا آغاز بھی اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ ہوا اور اختتام بھی۔

صفتِ معیت کی ایک تفصیل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقتاً اپنی مخلوق کے ساتھ ہے، (یعنی ایسا ساتھ ہے جیسا اس کی ذات کے لائق ہے) چنانچہ اللہ تعالیٰ بذاتہ اپنے عرش پر ہے، اور وہ

مخلوقات کے ساتھ بھی ہے، لیکن اس طرح کہ اس میں داخل اور مختلط نہیں ہے، کیونکہ مخلوق تو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کے سامنے انتہائی صغیر اور حقیر ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے بندوں کے بھی قریب ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ''العقیدۃ الواسطیۃ'' میں فرماتے ہیں:

'' ایمان باللہ، جس کا ہم نے ذکر کیا، میں یہ اہم نکتہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو خبر دی، جو رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ مبارکہ سے بھی تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور جس پر سلف صالحین کا اجماع بھی قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے اور اپنی تمام مخلوقات سے بلند ہے، پر ایمان لایا جائے۔ اور یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ ہے، خواہ وہ جہاں بھی ہوں، ان کے ہر ہر عمل کو جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باتوں (یعنی سب سے بلند ہونا اور بندوں کے ساتھ ہونا) کو اس آیتِ کریمہ میں اکٹھا ذکر فرمایا:

﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ (الحدید:۴)

ترجمہ: '' وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہو گیا، وہ خوب جانتا ہے اس چیز کو جو زمین میں جائے اور جو اس سے نکلے اور جو آسمان سے نیچے آئے اور جو کچھ چڑھ کر اس میں جائے، اور جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو تم کر رہے ہو اللہ دیکھ رہا ہے''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: '' وھو معکم '' یعنی وہ تمہارے ساتھ ہے، کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی مخلوق کے ساتھ مختلط ہے۔ لغت عربیہ ''معیت'' کے اس معنی کو ہر جگہ

قطعاً لازمی قرار نہیں دیتی، پھر یہ معنی سلفِ امت کے اجماع کے بھی خلاف ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو جس فطرتِ سلیمہ پر قائم فرمایا ہے، اس کے بھی خلاف ہے۔

چاند اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی ہے اور اس کی ایک چھوٹی سی مخلوق ہے؟ اسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں رکھا ہے مگر وہ ہر شخص خواہ وہ مسافر ہو یا غیر مسافر کے ساتھ ساتھ ہے چاہے وہ کہیں بھی چلا جائے، اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہے، اپنی تمام خلق کی نگرانی ونگہبانی فرما رہا ہے اور ان کے ہر ہر امر سے خوب واقف ومطلع ہے، یہ اور اس کے علاوہ اور بہت سے معانی ربوبیت اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ وہ عرش پر ہے اور یہ بھی بتلایا ہے کہ وہ مخلوق کے ساتھ ہے، یہ دونوں باتیں حق اور اپنی حقیقت پر قائم ہیں، جن میں کسی تحریف کی ضرورت وحاجت نہیں۔ البتہ کلامِ باری تعالیٰ کو جھوٹے گمانوں سے بچانا ضروری ہے۔ جھوٹے گمان کی ایک مثال، اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''فی السماء'' کے معنی میں یوں کہنا: ''کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں سمایا ہوا ہے'' یا ''آسمان اللہ تعالیٰ پر سایہ کئے ہوئے ہے''۔ یہ معنی تمام اہل علم اور جملہ مؤمنین کے نزدیک باطل ہے، اللہ تعالیٰ کی کرسی ہی تمام آسمانوں اور زمینوں پر حاوی اور وسیع ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو گرنے سے بچانے کیلئے تھاما ہوا ہے:

﴿ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ﴾ (الحج:٦٥)

ترجمہ: ''وہی آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ زمین پر اس کی اجازت کے بغیر گر نہ پڑے''

﴿ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ﴾ (الروم:٢٥)

ترجمہ: اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ آسمان اور زمین اسی کے حکم سے قائم ہیں ''

شیخ الاسلام مزید فرماتے ہیں:

'' قرآنِ حکیم میں جو اللہ تعالیٰ کی صفتِ قرب ومعیت کا ذکر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی صفت علو اور

فوقیت کے منافی نہیں، اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفات میں بے مثل ہے، (کسی صفت میں کوئی مخلوق اس کے مشابہ نہیں ہے) وہ سب سے قریب ہونے کے ساتھ ساتھ سب سے بلند بھی ہے، اور سب سے بلندی پر ہونے کے ساتھ ساتھ سب کے قریب بھی ہے "

شیخ الاسلام کے اس آخری جملے میں حدیث نزول کی طرف اشارہ ہے، جس میں ہر رات جبکہ آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے آسمانِ دنیا پر نزول کا ذکر ہے۔ نیز حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنھا کی طرف بھی اشارہ ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح (۱۳۴۸) میں روایت کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[یوم عرفہ سے بڑا اور زیادہ کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جہنم سے آزاد فرماتا ہے، اس دن وہ قریب آجاتا ہے، اور فرشتوں کے ساتھ اپنے بندوں پر اظہارِ فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے: یہ بندے کیا چاہتے ہیں؟] (الحدیث)

۷ . "خلق الانسان ویعلم ما توسوس به نفسه، وهو أقرب إليه من حبل الوريد، وماتسقط من ورقة إلا يعلمها ☆ ولا حبة في ظلمات الارض ولا رطب ولا يابس إلا في كتاب مبين ."

ترجمہ: "اس نے انسان کو پیدا کیا اور وہ انسان کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں انہیں بھی جانتا ہے اور وہ اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے، اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصے میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے، مگر یہ سب کتابِ مبین میں ہے۔"

شرح

اللہ تعالیٰ کیلئے صفتِ ''العلم'' کا اثبات...

اللہ تعالیٰ کا علم ہر شئی پر حاوی اور محیط ہے، اسے ازل سے ہر ما کان اور ما یکون کا علم حاصل ہے، جو چیز نہیں ہے، اگر ہوتی تو کیسے ہوتی، وہ یہ بھی جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ☆ بَلْ بَدَا لَهُم مَّا كَانُوا يُخْفُونَ مِن قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴾ (الانعام:۲۷)

ترجمہ: ''اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ دوزخ کے پاس کھڑے کئے جائیں تو کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس پھیر دیے جائیں اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو جھوٹا نہ بتلائیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی چیز کی خبر دی ہے جو وقوع پذیر نہیں ہوگی، وہ خبر ہے کفار کا دنیا کی طرف دوبارہ لوٹایا جانا، ایسا کبھی نہیں ہوگا، مگر اللہ تعالیٰ نے یہ بتادیا کہ اگر وہ دوبارہ لوٹائے جائیں تو وہ دوبارہ انہیں حرکتوں کا اعادہ کرینگے جن سے انہیں روکا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴾ (الانعام:۵۹)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں (خزانے) ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے۔ اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتا نہیں گرتا

مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصے میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے، مگر یہ سب کتاب مبین میں ہے"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِنْ أَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ﴾ (فصلت:۴۷)

ترجمہ: "قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور جو جو پھل اپنے شگوفوں میں سے نکلتے ہیں اور جو مادہ حمل سے ہوتی ہے اور جو بچے وہ جنتی ہے سب کا علم اسے ہے"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَى وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ☆ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ☆ سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ﴾ (الرعد:۸تا۱۰)

ترجمہ: "مادہ اپنے شکم میں جو کچھ رکھتی ہے اسے اللہ بخوبی جانتا ہے اور پیٹ کا گھٹنا بڑھنا بھی، ہر چیز اس کے پاس اندازے سے ہے۔ ظاہر و پوشیدہ کا وہ عالم ہے، سب سے بڑا اور بلند و بالا۔ تم میں سے کسی کا اپنی بات کو چھپا کر کہنا اور با آوازِ بلند اسے کہنا اور جو رات کو چھپا ہوا ہو اور جو دن میں چل رہا ہو، سب اللہ پر برابر و یکساں ہیں"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ☆ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴾ (الملک:۱۳،۱۴)

ترجمہ: "تم اپنی باتوں کو چھپاؤ یا ظاہر کرو وہ تو سینوں کی پوشیدگیوں کو بھی بخوبی جانتا ہے۔ کیا وہی نہ جانے جس نے پیدا کیا؟ پھر وہ باریک بین اور باخبر بھی ہو"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (السبا:۳)

ترجمہ: ”آپ کہہ دیجئے! کہ مجھے میرے رب کی قسم! جو عالم الغیب ہے کہ وہ (قیامت) یقیناً تم پر آئے گی، اللہ تعالیٰ سے ایک ذرے کے برابر کی چیز بھی پوشیدہ نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں بلکہ اس سے بھی چھوٹی اور بڑی ہر چیز کھلی کتاب میں موجود ہے“

اس کائنات میں جو بھی حرکت ہوتی ہے، یا ہونے والی ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کا پہلے سے علم ہے، یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کسی ایک آدھ چیز کا ازل سے علم نہ ہو، بلکہ بعد میں حاصل ہو۔

ہمارے شیخ محمد امین الشنقیطی رحمہ اللہ اپنی کتاب ”اضواء البیان“ (۷۶،۷۵/۱) میں اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ﴾ (البقرۃ:۱۴۳)

ترجمہ: ”جس قبلہ پر تم پہلے سے تھے، اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا تابعدار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتا ہے“

کی تفسیر میں فرماتے ہیں: آیتِ کریمہ کے ظاہری سیاق سے کسی جاہل کو وہم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اتباعِ رسول کے تعلق سے بندوں کا امتحان لیتا ہے اور امتحان لینے کے بعد ان (کی کامیابی یا ناکامی) کا علم حاصل کرتا ہے جو اسے پہلے نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ جاہلوں کے اس وہم سے بہت بلند ہے، بلکہ وہ تو ہر ہونے والی چیز کو واقع ہونے سے پہلے ہی جانتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر یہ واضح فرمایا ہے کہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ وہ بندوں کا امتحان لے کر نتیجے کا علم حاصل کرے، جو اسے پہلے نہیں ہوتا:

﴿ وَلِيَبْتَلِيَ اللهُ مَا فِي صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَافِي قُلُوْبِكُمْ وَاللهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ (آل عمران:۱۵۴)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کو تمہاری سینوں کے اندر کی چیز آزمانا اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے پاک کرنا تھا اور اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید سے آگاہ ہے"

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا "ولیبتلی "(یعنی تا کہ وہ امتحان لے) کے بعد یہ فرمانا کہ "إنه عليم بذات الصدور "یعنی اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید خوب جانتا ہے) اس بات پر دلیلِ قاطع ہے کہ اسے امتحان لیکر شی نامعلوم، معلوم نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ اس نظریہ سے بہت بلند ہے۔ کیونکہ وہ ذات جو دلوں کے اسرار و مخفیات سے بخوبی واقف ہے وہ اس بات سے بالکل مستغنی ہے کہ وہ امتحان کے نتیجے سے کوئی چیز معلوم کرے۔ یہ آیتِ کریمہ ان تمام آیات کی بڑی واضح تفسیر ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کا امتحان لینے کا تذکرہ موجود ہے۔

قولہ تعالیٰ: "إلا لنعلم "یعنی تا کہ ہم جان لیں، سے مراد یہ ہے کہ ایسا علم جو ظہور میں آ کر بندے پر ثواب یا عذاب کے مرتب ہونے کا باعث بنے، تو پھر یہ جاننا، اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق کے منافی نہ ہوا۔

بندوں کے اس امتحان کا فائدہ یہ ہے کہ ان کا معاملہ لوگوں کیلئے واضح ہو جائے، جہاں تک اس ذات کا تعلق ہے جو ہر بھید اور سرگوشی سے واقف ہے۔ وہ تو ہر ہونے والی چیز سے پہلے ہی آگاہ ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت کے فرمان:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴾ (ق:۱۶)

ترجمہ: "ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں ان سے بھی واقف ہیں اور ہم اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں"

کی دو تفسیریں کی گئی ہیں:

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے شاہ رگ سے قریب ہونے سے مراد از روئے علم، قدرت اور احاطہ، قریب ہونا ہے۔ مؤلف ابن ابی زید کے کلام سے یہی مترشح ہو رہا ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ آیتِ کریمہ میں جس قرب کا ذکر ہے وہ فرشتوں کا قرب ہے۔ سورۃ الواقعہ میں اس کی نظیر موجود ہے:

﴿ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ ﴾ (الواقعہ:۸۵)

ترجمہ: ''ہم اس شخص سے بہ نسبت تمہارے بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اور امام ابن القیم رحمہ اللہ نے ''الصواعق المرسلة'' میں اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ دیکھیے مختصر الصواعق (۲/۲۶۸)

قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر ایسی ضمیر استعمال ہوئی ہے جو صیغۂ تعظیم (جمع) پر مشتمل ہے اور اس سے مراد ملائکہ ہیں۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴾ (القیامۃ:۱۸)

ترجمہ: ''ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں''

یہاں ضمیر بلفظِ تعظیم وارد ہوئی ہے اور اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں، کیونکہ وہی وحی لیجا کر نبی ﷺ پر پڑھنے کے مکلف ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ﴾

ترجمہ: ''جب ابراہیم کا ڈر و خوف جاتا رہا اور اسے بشارت بھی پہنچ چکی تو ہم سے قومِ لوط کے بارہ میں جدال (جھگڑا) کرنے لگے'' (ھود:۷۴)

یہاں ''یجادلنا'' میں ضمیر متکلم جو لفظِ تعظیم پر مشتمل ہے سے مراد ملائکہ ہیں، کیونکہ

ابراھیم (علیہ السلام) نے ملائکہ سے جھگڑا اور جدال کیا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُو أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ. قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا ﴾ (العنکبوت:۳۱)

ترجمہ: ''اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراھیم (علیہ السلام) کے پاس بشارت لیکر پہنچے کہنے لگے کہ اس بستی والوں کو ہم ہلاک کرنے والے ہیں، یقیناً یہاں کے رہنے والے ظالم ہیں۔ ابراھیم (علیہ السلام) نے کہا اس میں تو لوط (علیہ السلام) ہیں، فرشتوں نے کہا یہاں جو ہیں ہم انہیں بخوبی جانتے ہیں''

۸۔ قولہ: '' علی العرش استوی، وعلی الملک احتوی''

ترجمہ: '' وہ عرش پر مستوی ہے اور پوری کائنات پر اسکی حکمرانی، بادشاہت اور قبضہ ہے''

شرح

اللہ تعالیٰ کی صفت ''استواء علی العرش '' کا اثبات...

اللہ تعالیٰ کی فعلی صفات میں سے ایک صفت، اس کا عرش پر مستوی ہونا ہے، اس صفت کے بارہ، بلکہ تمام صفات کے بارہ میں سلف صالحین کا مذہب یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کیلئے اس طرح ثابت کریں جیسے اس ذات کے لائق ہے، جس میں تکییف (بیانِ کیفیت) تشبیہ وتمثیل تحریف یا تعطیل (انکار) کا کوئی شائبہ تک نہ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے معانی معلوم ومفہوم لیکن ان کی کیفیت مجہول ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ سے جب اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کی کیفیت پوچھی گئی، تو فرمایا:

''الاستواء معلوم والکیف مجھول والایمان بہ واجب والسؤال عنہ بدعۃ'' یعنی

اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کا معنی معلوم ہے لیکن کیفیت مجہول ہے، استواء پر ایمان لانا واجب ہے اور کیفیتِ استواء کا سوال بدعت ہے۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے سورۃ الاعراف کی آیتِ ''استویٰ علی العرش'' کے سلسلہ میں کافی گفتگو کر رکھی ہے، جس کے ذکر کا محل ہماری یہ کتاب نہیں، ہم تو اپنی اس کتاب میں اس حوالہ سے سلف صالحین، مثلاً: امام مالک، اوزاعی، سفیان الثوری، لیث بن سعد، شافعی، احمد بن حنبل، اسحٰق بن راھویہ اور دیگر ائمہ قدیم وحدیث کا پاکیزہ کلام نقل کرینگے (اور اسی پر چلیں گے)

ائمہ سلف کا مذہب تمام صفاتِ باری تعالیٰ کو، جو کتاب وسنت میں وارد ہوئی ہیں، بلا تکییف، بلا تشبیہ اور بلا تعطیل ثابت وجاری کرنا ہے۔

اہل تشبیہ کے ذہنوں میں صفات کے تعلق سے، تشبیہ وتمثیل پر مشتمل جو معنی پیدا ہوتا ہے جسے وہ معنی ظاہر ومتبادر قرار دیتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں باطل اور منفی ہے؛ کیونکہ مخلوقات میں سے کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کے مشابہ یا مماثل نہیں ہے: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (الشوریٰ:۱۱)

منہجِ مستقیم وہی ہے جو ائمہ سلف نے اختیار کیا، نُعیم بن حماد الخزاعی جو امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ ہیں، فرماتے ہیں:

''جس نے اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دی اس نے کفر کیا، اور جس نے اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا (جو کتاب وسنت میں ثابت ہے) انکار کیا اس نے بھی کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ نے جو صفات بیان فرمادی ہیں اس میں تشبیہ بالمخلوقات کا کوئی دخل نہیں۔ اب آیاتِ صریحہ اور احادیثِ صحیحہ میں جو بھی اللہ تعالیٰ کی صفات وارد ہیں جس نے انہیں اللہ تعالیٰ کیلئے اسی طرح تسلیم کرلیا جس طرح اس کی جلالت وعظمت وکبریائی کے لائق ہے، اس نے اللہ تعالیٰ سے تمام نقائص وعیوب کی نفی کردی، اور ہدایت کے راستے پر گامزن اور قائم ہے''

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ ''استواء علی العرش '' قرآنِ حکیم میں سات مقام پر وارد ہوئی ہے۔سورۂ طٰہٰ میں: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ﴾ فرمایا اور الحدید میں ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ﴾ کے الفاظ وارد ہیں۔

سلفِ صالحین کے نزدیک ''استوی '' کا معنی چڑھنا اور بلند ہونا ہے۔ متکلمین نے ''استوی '' کو ''استولی '' یعنی غلبہ پانا کے معنی میں لیکر تاویل کا خطرناک راستہ اختیار کیا ہے۔

امام ابوالحسن الأشعری رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الابانۃ'' (ص:۸۶) میں فرماتے ہیں:

'' بہت سے معتزلہ، جہمیہ اور حروریہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ﴾ میں ''''استوی '' بمعنی ''استولی وملک وقہر '' ہے، یعنی غلبہ، ملک اور قبضہ پالیا۔ کیونکہ بقول ان کے اللہ تعالیٰ تو ہر مقام میں موجود ہے۔انہوں نے اہل حق کے منہج سے یکسر انحراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کا انکار کر دیا ہے، اور ''استواء'' سے قدرت مراد لی ہے۔ اگر ''استواء'' سے غلبہ اور قدرت مراد ہے تو پھر عرش اور ساتویں زمین میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ساتویں زمین کا غلبہ وقدرت بھی حاصل ہے۔ پھر عرش اور زمین میں موجود بیت الخلاؤں اور دیگر ہر چیز میں کیا فرق ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کو ان تمام اشیاء پر قبضہ وقدرت حاصل نہیں؟ اگر ''استواء علی العرش '' کا معنی ''استیلاء علی العرش '' ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مستوی ہے۔ پھر وہ عرش پر مستوی ہونے کے ساتھ آسمان، زمین اور زمین پر موجود گندگیوں اور غلاظتوں کے ڈھیروں پر بھی (نعوذ باللہ) مستوی ہے، کیونکہ وہ ان تمام چیزوں پر بھی قادر اور غالب ہے۔ جب یہ بات ثابت اور طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ مسلمانوں میں سے کوئی شخص بھی یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ گندگیوں اور غلاظتوں کے مقامات پر مستوی ہے، تو پھر ''استواء'' بمعنی ''استیلاء'' (غلبہ وقدرت) جائز نہیں ہوگا، کیونکہ وہ تو بصورتِ عام ہر چیز پر قائم اور موجود ہے، تو پھر یہ بات ضروری اور متعین

ٹھہری کہ "استواء" ایک ایسے معنی پر مشتمل ہے جو صرف عرش کیساتھ مختص ہے، اور وہ اختصاص کسی دوسری چیز کو حاصل نہیں "

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الصواعق المرسلة" میں "استواء" بمعنی "استیلاء" ہونا، بیالیس (۴۲) وجوہ سے باطل ثابت کیا ہے۔ دیکھیئے "مختصر الصواعق المرسلة" لمحمد بن الموصلی (۲/۱۲۶ تا ۱۵۲)

مؤلف ابن ابی زید رحمہ اللہ کا "علی العرش استوی" کے فوراً بعد "وعلی الملک احتوی" یعنی وہ اس تمام کائنات کا مالک، قاہر، قابض اور غالب ہے، فرمانا درحقیقت ان ہی متکلمین پر ردوابطال ہے، کیونکہ متکلمین "استواء" بمعنی "استیلاء" لیتے ہیں، جس کا معنی ہوا اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر غالب و قابض ہے۔ صاحب کتاب فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو غلبہ اور قبضہ وقدرت عرش اور غیر عرش ہر چیز پر حاصل ہے (پھر غلبہ وقدرت کیلئے عرش کی تخصیص کا کیا معنی؟)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا خالق ہے، اور اس کے سوا ہر چیز مخلوق ہے، جو ذات بلاشرکتِ غیر ہر چیز کی خالق وموجد ہے وہی ذات بلاشرکتِ غیر ہر چیز کی مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ (الملک:۱)

ترجمہ: "بہت بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور جو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْھِنَّ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾

ترجمہ: "اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو ان میں

موجود ہیں اور وہ ہر شئی پر پوری قدرت رکھتا ہے" (المائدۃ:۱۲۰)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴾ (الحدید:۵)

ترجمہ: "آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور تمام کام اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴾ (النور:۴۲)

ترجمہ: "زمین اور آسمان کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴾ (الاسرا:۱۱۱)

ترجمہ: "اور کہہ دیجئے! کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے نہ اپنی بادشاہت میں کسی کو شریک وساجی رکھتا ہے نہ اس سبب سے کہ وہ کمزور ہے، کوئی اس کا حمایتی ہے اور تو اسکی پوری پوری بڑائی بیان کرتا رہ"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَلَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴾ (الفرقان:۲)

ترجمہ: "اسی اللہ کی سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمینوں کی اور وہ کوئی اولاد نہیں رکھتا، نہ اس کی سلطنت میں کوئی اسکا ساجی ہے اور ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ ٹھہرا دیا ہے"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ

وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ. وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ﴾ (سبا:۲۲،۲۳)

ترجمہ: ''کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جن جن کا تمہیں گمان ہے سب کو پکار لو نہ ان میں سے کسی کو آسمانوں اور زمینوں میں سے ایک ذرہ کا اختیار ہے نہ ان کا ان میں کوئی حصہ ہے نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے اور درخواستِ شفاعت بھی اس کے پاس کچھ نفع نہیں دیتی بجز ان کے جن کے لئے اجازت ہو جائے''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ أَرَءَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوَاتِ أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَتٍ مِنْهُ بَلْ إِنْ يَعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا . إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴾

ترجمہ: ''آپ کہیئے! کہ تم اپنے قرارداد شریکوں کا حال تو بتلاؤ جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو۔یعنی مجھ کو یہ بتلاؤ کہ انہوں نے زمین میں کون سا (جزو) بنایا ہے یا ان کا آسمانوں میں کچھ ساجھا ہے یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اس کی دلیل پر قائم ہوں بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے نرے دھوکے کی باتوں کا وعدہ کرتے آتے ہیں۔یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں اور اگر وہ ٹل جائیں تو پھر اللہ کے سوا اور کوئی ان کو تھام بھی نہیں سکتا۔وہ حلیم غفور ہے'' (فاطر:۴۰،۴۱)

۹ . " قوله: وله الأسماء الحسنى والصفات العلى "

ترجمہ: " اس کیلئے انتہائی پیارے پیارے نام اور بہت ہی اعلیٰ صفات ہیں۔ "

شرح

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا تعلق اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب سے ہے...

(۱) اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا تعلق، اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب سے ہے، جن پر ہمارے لئے کتاب وسنت کی وحی کے بغیر کلام کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے ان تمام اسماء وصفات کا اقرار واثبات کرینگے جن کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے اثبات وبیان ثابت ہوگیا۔ اور ہمارا اقرار واثبات ایسا ہوگا جیسا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لائق شان ہے، جس میں کسی تکییف وتشبیہ اور تحریف وتعطیل کا ذرہ برابر بھی شائبہ نہ ہو۔ نیز ہم ہر اس صفت سے اللہ تعالیٰ کو پاک اور منزہ قرار دینگے، جو صفت اللہ تعالیٰ کے لائق شان نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ: " اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے دیکھنے والا ہے "

اللہ تعالیٰ کے تمام نام حسنیٰ ہیں

(۲) قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کیلئے اسماء (ناموں) کا اثبات وارد ہوا ہے، نیز ان اسماء کا " حسنیٰ " کی صفت سے متصف ہونا بھی وارد ہوا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ﴾ (الاعراف:۱۸۰)

ترجمہ: (اور اللہ تعالیٰ کے نہایت اچھے اچھے نام ہیں پس تم اسے انہیں ناموں سے پکارو)

نیز فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴾ (طٰہٰ:۸)

ترجمہ: (وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اس کیلئے نہایت اچھے اچھے نام ہیں)

نیز فرمایا: ﴿ هُوَ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴾ (الحشر:۲۴)

ترجمہ: (وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا، بنانے والا، صورت کھینچے والا، اسی کیلئے نہایت اچھے نام ہیں)

اللہ تعالیٰ کے اسماء کے "حسنیٰ" ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام نام حسن وخوبصورتی میں اپنی غایت اور انتہاء کو پہنچے ہوئے ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ کے ناموں کو صرف اچھا ہی نہیں بلکہ انتہائی اچھا اور پیارا کہا جائے، جیسا کہ مذکورہ آیاتِ کریمہ میں وارد ہوا۔

اللہ تعالیٰ کے تمام نام مشتق ہیں

(۳) اللہ تعالیٰ کے تمام نام مشتق ہیں، جن کے باقاعدہ معانی ہیں، اور وہ معانی ہی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ مثلاً: اسمِ مبارک "العزیز" "عزت پر، "الحکیم" "حکمت پر، "الکریم" "کرم پر، "العظیم" "عظمت پر، "اللطیف" "لطف پر" الرحمٰن" اور "الرحیم" "رحمت پر دلالت کرتے ہیں، اسی طرح بقیہ نام بھی۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام جامد نہیں، جس کا کوئی اشتقاق نہ ہو۔ بعض اہلِ علم کا اللہ تعالیٰ کے ناموں میں "الدھر" (زمانہ) نام ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔ صحیح بخاری ومسلم میں مروی حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان:

[یؤذینی ابن آدم یسب الدھر و أنا الدھر بیدی الامر أقلب اللیل وا لنھار]

ترجمہ: [ابن آدم، مجھے تکلیف دیتا ہے اور وہ اس طرح کہ وہ دھر یعنی زمانے کو گالی دیتا ہے، اور دھر تو میں ہوں] (صحیح بخاری (۴۸۲۶، ۶۱۸۱، ۷۴۹۱) صحیح مسلم (۵/۴۵۸)

اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ "الدھر" اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، کیونکہ "دھر" تو زمانہ ہے، اللہ تعالیٰ رات اور دن (یعنی زمانہ) کو پھیرتا ہے، لہذا جس کسی نے "اَلْمُقَلَّبْ" (پھیری ہوئی چیز) یعنی زمانہ کو گالی دی، تو اس کی وہ گالی "اَلْمُقَلِّبْ" یعنی پھیرنے والے کی طرف لوٹ جائے گی، اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ نکتہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

[بیدی الامر أقلب اللیل وا لنھار] سے واضح اور عیاں ہے۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کی صفات کا تعلق ہے تو ہر صفت سے اللہ تعالیٰ کا اسم نکالنا درست نہیں ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات میں "الوجہ" (چہرہ) "الید" (ہاتھ) اور "القدم" (پاؤں) وغیرہ جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں، ان صفات میں سے اللہ تعالیٰ کے نام اشتقاق نہیں کیئے جا سکتے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفاتِ فعلیہ میں سے "استھزاء"، "کید" اور "مکر" ہیں، اب ان میں سے اسماء اخذ کر کے اللہ تعالیٰ کے "المستھزی" یا "الکائد" یا "الماکر" نام نہیں رکھے جا سکتے۔

چونکہ بات سے بات نکلتی ہے، لہذا میں اس موقع پر یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے بھی تمام ثابت نام مشتق ہیں جو باقاعدہ کسی معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ناموں میں سے کوئی نام جامد نہیں ہے، لہذا "طٰہٰ" یا "یٰس" رسول اللہ ﷺ کے نام نہیں ہیں۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ "تحفۃ المودود" (ص: ۱۲۷) میں فرماتے ہیں:

" (بچے کا نام رکھنے کے تعلق سے) جن چیزوں سے روکا جائے گا ان میں یہ بات بھی شامل ہے کہ قرآن مجید کی سورتوں کے ناموں میں سے کوئی نام رکھ دیا جائے، مثلاً: "طٰہٰ" "یٰس" "حٰم" وغیرہ۔ سہیلی نے امام مالک رحمہ اللہ سے نصاً "یٰس" نام رکھنے کی کراہیت ذکر فرمائی ہے۔ عوام الناس میں جو یہ بات مشہور ہے کہ "یٰس" اور "طٰہٰ" رسول اللہ ﷺ کے نام ہیں تو یہ غیر صحیح ہے، کیونکہ یہ بات کسی صحیح یا حسن حتی کہ مرسل حدیث سے ثابت نہیں، نہ ہی کسی صحابی سے کوئی ایسا قول منقول ہے۔ یہ بھی "الم" "حم" "الر" کی طرح کے حروف ہیں۔"

جنہوں نے "یٰس" اور "طٰہٰ" کو بھی نبی ﷺ کے نام قرار دیئے ہیں شاید ان کے وہم کی وجہ یہ ہو کہ ان حروف ("یٰس" اور "طٰہٰ") کے بعد نبی ﷺ کو خطاب ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ

یہ نبی ﷺ کے نام ہیں۔

ان پر واضح ہونا چاہیے کہ سورۃ الاعراف اور سورۃ ابراھیم کے حروف مقطعات کے بعد بھی نبی ﷺ کو خطاب کیا گیا ہے تو کیا ''المص'' اور'' الر'' بھی نبی ﷺ کے نام ہیں؟

اللہ تعالیٰ کے نام متعین عدد میں محصور نہیں

(۴) اللہ تعالیٰ کے نام کسی معین عدد میں محصور ومحدود نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے کچھ ناموں کی اطلاع دی ہے، باقی نام اپنے خزانہ غیب میں چھپا رکھے ہیں جن سے کسی کو آگاہ نہیں فرمایا۔اس کی دلیل عبداللہ بن مسعود ؓ کی حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

[ما اصاب احدا قط هم و لاحزن فقال اللهم انی عبدک ابن عبدک ابن امتک ناصيتي بيدک ماض في حكمك عدل في قضاء ک أسألک بكل اسم هولک سميت به نفسک أو أنزلته في كتابک أو علمته أحدامن خلقک أو استأثرت به في علم الغيب عندک ان تجعل القرآن ربيع قلبي ونور صدري وجلاء حزني و ذهاب همي ،إلا اذهب الله همه وحزنه وابدله مكانه فرح، قال: فقيل يارسول الله ! الا نتعلمها ؟فقال: بلىٰ ! ينبغي لمن سمعها ان يتعلمها] (مسند احمد:۱/۳۷۴)

ترجمہ: [کسی بندے کو کوئی پریشانی یا غم لاحق ہو اور وہ اس طرح دُعا کرے: اے اللہ! میں تیرا بندہ، تیرے بندے کا بیٹا ہوں اور تیری بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ[1] میں ہے، میرے بارہ میں صرف تیرا ہی حکم چلتا ہے، میرے بارے میں تیرا ہر فیصلہ عدل پر قائم ہے، اے اللہ! میں تجھ سے تیرے ہر نام کے واسطے سے دعا کرتا ہوں وہ نام جو تو نے اپنی ذات کے رکھے، یا وہ نام جو تو نے اپنی کتاب میں اتارے، یا وہ نام جو تو نے اپنی مخلوقات میں سے کسی کو

سکھا دیئے، یا وہ نام جو تو نے اب تک اپنے خزانۂ غیب میں محفوظ فرما رکھے ہیں کہ تو قرآن کریم کو میرے دل کی بہار، سینے کا نور، اور تمام دکھوں اور غموں کا مداوا بنا دے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام دکھ درد دور کر کے اسے خوشیاں عطا فرما دیتا ہے۔ کہا گیا: یا رسول اللہ! ہم کیوں نہ ان کلمات کو یاد کر لیں؟ فرمایا: کیوں نہیں! جو شخص بھی ان کلمات کو سنے اسے چاہیئے کہ انہیں یاد کر لے]

شیخ شعیب الارناؤوط اور ان کے دونوں ساتھیوں نے اس حدیث کے ضعف کی تعلیق لگائی ہے، جبکہ حافظ ابن حجر سے اس کا حسن ہونا منقول ہے، جبکہ شیخ البانی نے "الصحیحة" میں اسے صحیح قرار دیا ہے، امام ابن القیم نے بھی اسے صحیح کہا ہے، اور اپنی کتاب "شفاء العلیل" کے ستائیسویں (۲۷) باب میں اس حدیث کی مفصل شرح بھی کی ہے۔ دیکھیے (ص: ۳۶۹ تا ۳۷۴)

لہٰذا اصل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کو بلا دلیل کسی معین تعداد میں محصور نہ کیا جائے۔ اور ہمارے علم میں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں، البتہ صحیح بخاری (۲۷۳۶ ، ۶۴۱۰، ۷۳۹۲) اور صحیح مسلم (۲۶۷۷) میں ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے، جس میں نبی ﷺ نے فرمایا:

[ان لله تسعة وتسعين اسماً مائة الا واحدة من احصاها دخل الجنة]

ترجمہ: [بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، ایک کم سو، جو انہیں کما حقہ پڑھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا]

یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ننانوے (۹۹) کی تعداد میں محصور ہونے پر دلالت نہیں کرتی، بلکہ اس حدیث کی دلالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ننانوے (۹۹) نام ایسے ہیں کہ ان کو پڑھنے والا جنتی ہے۔ جیسے کوئی شخص کہے: میرے پاس سو درھم ہیں جو میں نے طلبہ علم کیلئے رکھے ہوئے ہیں۔ اسکا معنی یہ نہیں ہے کہ اسکے پاس ان دراھم کے علاوہ اور درھم نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) ناموں کا ذکر کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، البتہ بعض علماء نے کتاب وسنت سے ننانوے (۹۹) نام نکالے ہیں: مثلاً: حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۲۱۵/۱۱)

اور "التلخیص الحبیر" (۴/۱۲۷) میں اور شیخ محمد بن العثیمین نے "القواعد المثلی" (ص:۱۵تا۱۶) میں ان ننانوے (۹۹) ناموں کا ذکر کیا ہے۔ یہ تینوں کتابیں اکثر ناموں کے ذکر میں متفق ہیں، البتہ بعض ناموں کے ذکر میں قدرے اختلاف موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) ناموں کا بیان

ہم اللہ تعالیٰ کے ان ننانوے (۹۹) اسماء حسنیٰ کا حروف تہجی کی ترتیب سے ذکر کرتے ہیں، ہر نام کی قرآن یا حدیث سے دلیل بھی نقل کرینگے۔ ہم نے یہاں دو ناموں "اَلسِّتِّیْر" اور "الدیّان" کا اضافہ بھی کیا ہے، جن کا ذکر مذکورہ تینوں کتابوں میں نہیں ملتا۔

(۱) اللہ (اللہ تعالیٰ کا اسمِ ذاتی ہے) ﴿وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ ﴿وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ﴾

(۲) اَلْآخِرُ (سب کے بعد) ﴿ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْآخِرُ﴾ (الحدید:۳)

(۳) اَلْاَحَدُ (ایک، اکیلا) ﴿قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ﴾ (اخلاص:۱)

(۴) اَلْاَعْلٰی (سب سے بلند) ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی﴾ (الاعلیٰ:۱)

(۵) اَلْاَکْرَمُ (سب سے زیادہ عزت والا) ﴿اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ﴾ (العلق:۳)

(۶) اَلْاِلٰہُ (معبود) ﴿وَقَالَ اللّٰہُ لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰھَیْنِ اثْنَیْنِ اِنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ﴾ (النحل:۵۱)

(۷) اَلْاَوَّلُ (سب سے پہلے) ﴿ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْآخِرُ﴾ (الحدید:۳)

(۸) اَلْبَارِئُ (پیدا کرنے والا) ﴿ھُوَ اللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾ (الحشر:۲۴)

(۹) اَلْبَاطِنُ (سب سے پوشیدہ) ﴿ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ ۱ (الحدید:۳)

(۱۰) اَلْبَرُّ (نیکی و بھلائی کرنے والا) ﴿اِنَّہٗ ھُوَ الْبَرُّ الرَّحِیْمُ﴾ (الطور:۲۸)

(۱۱) اَلْبَصِیْرُ (دیکھنے والا) ﴿لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَّھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾

(الشوریٰ:۱۱)

(۱۲) اَلتَّوَّابُ (توبہ قبول کرنے والا) ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (الحجرات:۱۲)

(۱۳) اَلْجَبَّارُ (ملانے والا) ﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ﴾ (الحشر:۲۳)

(۱۴) اَلْجَمِيْلُ (خوبصورت) [ان الله جمال يحب الجمال] (مسلم:۱۴۷)

(۱۵) اَلْحَافِظُ (نگہبان) ﴿ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ (یوسف:۶۴)

(۱۶) اَلْحَسِيْبُ (حساب لینے والا) ﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴾ (النساء:۶)

(۱۷) اَلْحَفِيْظُ (سنبھالنے والا) ﴿ اِنَّ رَبِّىْ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ حَفِيْظٌ ﴾ (ھود:۵۷)

(۱۸) اَلْحَقُّ (سچا اور ثابت) ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ ﴾ (الحج:۶۲)

(۱۹) اَلْحَكَمُ (فیصلہ کرنے والا) [إن الله هو الحكم ،وإليه الحكم] (ابوداؤد:۴۹۵۵)

(۲۰) اَلْحَكِيْمُ (حکمت والا، دانا) ﴿ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ (الصف:۱)

(۲۱) اَلْحَلِيْمُ (بردبار) ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴾ (المائدۃ:۱۰۱)

(۲۲) اَلْحَمِيْدُ (تعریف کیا ہوا) ﴿ وَهُوَ الْوَلِىُّ الْحَمِيْدُ ﴾ (شوریٰ:۲۸)

(۲۳) اَلْحَىُّ (زندہ) ﴿ هُوَ الْحَىُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ (الغافر:۶۵)

(۲۴) اَلْحَيِيُّ (حیاء والا) [إن الله عز وجل حيي ستّير ،يحب الحياء والستر]

(ابوداؤد:۳۰۱۲)

(۲۵) اَلْخَالِقُ (پیدا کرنے والا) ﴿ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ ﴾ (الحشر:۲۴)

(۲۶) اَلْخَبِيْرُ (باخبر رہنے والا) ﴿ قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴾ (التحریم:۳)

(۲۷) اَلْخَلَّاقُ (پیدا کرنے والا) ﴿ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيْمُ ﴾ (الحجر:۸۶)

(۲۸) اَلدَّيَّانُ (بدلہ دینے والا) [قال رسول الله ﷺ: يحشر الله العباد أو قال: الناس عراة غرلا بهما، قال: قلنا مابهما؟ قال: ليس معهم شيء، ثم يناديهم بصوت يسمعه من بعد كما يسمعه من قرب: أنا الملك، أنا الديان] (الحديث: أخرجه الحاكم في المستدرك في موضعين (۲/۴۳۸)، (۴/۵۷۴)، وصححه وأقره الذهبي، وحسنه الحافظ في الفتح (۱/۱۷۴)، والالباني في صحيح الأدب المفرد (۷۴۶)

(۲۹) اَلرَّبُّ (پیدا کرنے والا) ﴿ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴾ (یٰس:۵۸)

(۳۰) اَلرَّحْمٰنُ (مہربان) ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ . اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ (فاتحہ:۱،۲)

(۳۱) اَلرَّحِيْمُ (رحم کرنے والا) ﴿ وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴾ (البقرۃ:۱۶۳)

(۳۲) اَلرَّزَّاقُ (روزی دینے والا) ﴿ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴾ (الذریات:۵۸)

(۳۳) اَلرَّفِيْقُ (دوست) [إن الله رفيق يحب الرفق] (بخاری ومسلم)

(۳۴) اَلرَّقِيْبُ (نگرانی کرنے والا) ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴾ (احزاب:۵۲)

(۳۵) اَلرَّؤُوْفُ (مہربان) ﴿ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (النحل:۷)

(۳۶) اَلسُّبُّوحُ (پاک) [سبوح قدوس رب الملائكة والروح] (مسلم:۴۸۷)

(۳۷) اَلسِّتِّيرُ (پردہ پوشی کرنے والا) [إن الله عزوجل حيي ستير ،يحب الحياء والستر] (ابوداؤد:۴۰۱۲)

(۳۸) اَلسَّلَامُ (سلامتی والا) ﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ ﴾ (الحشر:۲۳)

(۳۹) اَلسَّمِیْعُ (سننے والا) ﴿ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ ﴾ (المجادلۃ:۱)

(۴۰) اَلسَّیِّدُ (مالک) [السيد تبارك وتعالىٰ] (ابوداؤد:۴۸۰۶)

(۴۱) اَلشَّافِي (شفاء دینے والا) [اشف أنت الشافي لاشفيي إلا انت] (بخاری:۵۷۴۲)

(۴۲) اَلشَّاكِرُ (قدردان) ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِیْمًا ﴾ (النساء:۱۴۷)

(۴۳) اَلشَّكُوْرُ (قدردان) ﴿ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴾ (فاطر:۳۴)

(۴۴) اَلشَّهِیْدُ (گواہ) ﴿ اَوَلَمْ یَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴾ (فصلت:۵۳)

(۴۵) اَلصَّمَدُ (بے نیاز) ﴿ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴾ (اخلاص:۲)

(۴۶) اَلطَّیِّبُ (پاک) ﴿ الله طيب ولايقبل إلاطيبا ﴾ (مسلم:۱۰۱۵)

(۴۷) اَلظَّاهِرُ (سب سے ظاہر) ﴿ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ﴾ (الحدید:۳)

(۴۸) اَلْعَزِیْزُ (غالب) ﴿ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴾ (الجمعۃ:۱)

(۴۹) اَلْعَظِیْمُ (سب سے بڑا) ﴿ وَلَا يَؤُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴾ (البقرۃ:۲۵۵)

(۵۰) اَلْعَفُوُّ (معاف کرنے والا) ﴿ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴾ (المجادلۃ:۲)

(۵۱) اَلْعَلِیْمُ (علم والا) ﴿ وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴾ (التحریم:۲)

(۵۲) اَلْعَلِیُّ (بلند) ﴿ اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَكِیْمٌ ﴾ (الشوریٰ:۵۱)

(۵۳) اَلْغَالِبُ (غالب) ﴿ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (یوسف:۲۱)

(۵۴) اَلْغَفَّارُ (معاف کرنے والا) ﴿ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴾ (نوح:۱۰)

(۵۵) اَلْغَفُوْرُ (معاف کرنے والا) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴾ (الزمر:۵۳)

(۵۶) اَلْغَنِیُّ (بے پرواہ) ﴿ وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ﴾ (محمد:۳۸)

(۵۷) اَلْفَتَّاحُ (کھولنے والا) ﴿ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ ﴾ (سبا:۲۶)

(۵۸) اَلْقَادِرُ (قدرت والا) ﴿ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ ﴾ (الانعام:۶۵)

(۵۹) اَلْقَاهِرُ (زبردست) ﴿ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴾ (الانعام:۱۸)

(۶۰) اَلْقُدُّوْسُ (پاک) ﴿ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِكِ

الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴾ (الجمعۃ:۱)

(۶۱) اَلْقَدِيْرُ (قدرت والا) ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِی بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (الملک:۱)

(۶۲) اَلْقَرِيْبُ (نزدیک) ﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِی عَنِّی فَاِنِّی قَرِيْبٌ ﴾ (البقرۃ:۱۸۶)

(۶۳) اَلْقَهَّارُ (زبردست) ﴿ وَبَرَزُوا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾ (ابراھیم:۴۸)

(۶۴) اَلْقَوِیُّ (قوت والا) ﴿ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِيْزُ ﴾ (الشوریٰ:۱۹)

(۶۵) اَلْقَيُّوْمُ (ہمیشہ قائم) ﴿ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ ﴾ (البقرۃ:۲۵۵)

(۶۶) اَلْكَبِيْرُ (سب سے بڑا) ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِيْرُ ﴾ (لقمان:۳۰)

(۶۷) اَلْكَرِيْمُ (بڑا بزرگ اور سخی) ﴿ يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴾ (الانفطار:۶)

(۶۸) اَلْكَفِيْلُ (کارساز) ﴿ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ﴾ (النحل:۹۱) وحديث قصة الاسرائيلی الذی قال لمن أسلفه: [كفى بالله كفيلا] (بخاری:۲۲۹۱)

(۶۹) اَللَّطِيْفُ (نرمی کرنے والا) ﴿ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴾ (الملک:۱۴)

(۷۰) اَلْمُبِيْنُ (ظاہر کرنے والا) ﴿ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴾ (النور:۲۵)

(۷۱) اَلْمُتَعَالُ (انتہائی بلند) ﴿ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴾

(الرعد:۹)

(۷۲) اَلْمُتَكَبِّرُ (بڑائی کرنے والا) ﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ﴾ (الحشر:۲۳)

(۷۳) اَلْمَتِيْنُ (زبردست قوت والا) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴾

(الذريات:۵۸)

(۷۴) اَلْمُجِيْبُ (دعا قبول کرنے والا) ﴿ اِنَّ رَبِّیْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴾ (هود:۶۱)

(۷۵) اَلْمَجِيْدُ (بزرگی والا) ﴿ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴾ (هود:۷۳)

(۷۶) اَلْمُحْسِنُ (احسان کرنے والا) [إن الله محسن يحب المحسنين](رواه ابن أبی عاصم فی الديات (ص:۵۶) وابن عدی فی الكامل (۲۱۴۵/۶)، وابو نعيم فی أخبار أصبهان(۱۱۳/۲) ،واسناده حسن كما ذكر الشيخ الألبانی فی السلسلة الصحيحة (۴۷۰)،وانظر صحيح الجامع الصغير (۱۸۱۹) و(۱۸۲۰)

(۷۷) اَلْمُحِيْطُ (گھیرنے والا) ﴿ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِيْطٌ ﴾ (فصلت:۵۴)

(۷۸) اَلْمُصَوِّرُ (صورت عطا کرنے والا) ﴿ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ ﴾

(الحشر:۲۳)

(۷۹) اَلْمُعْطِیْ (عطا کرنے والا) [والله المعطي وأنا القاسم] (بخاری:۳۱۱۶)

(۸۰) اَلْمُقْتَدِرُ (قدرت رکھنے والا) ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴾

(الكهف:۴۵)

(۸۱) اَلْمُقَدِّمُ (آگے کرنے والا) [أنت المقدم ،وأنت المؤخر] (بخاری:۱۱۲۰)

(۸۲) اَلْمُقِيْتُ (روزی دینے والا) ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ مُّقِيْتًا ﴾

(النساء:۸۵)

(۸۳) اَلْمَلِکُ (بادشاہ) ﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ ﴾ (الحشر:۲۳)

(۸۴) اَلْمَلِیْکُ (بادشاہ) ﴿ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ ﴾ (القمر:۵۵)

(۸۵) اَلْمَنَّانُ (احسان کرنے والا) [اللهم إني اسألک بأن لک الحمد لا إله إلا أنت المنان] (ابوداؤد:۱۴۹۵)

(۸۶) اَلْمُهَیْمِنُ (نگراں، محافظ) ﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ ﴾ (الحشر:۲۳)

(۸۷) اَلْمُؤَخِّرُ (پیچھے کرنے والا) [أنت المقدم، وأنت المؤخر] (بخاری:۱۱۲۰)

(۸۸) اَلْمَوْلٰی (مالک، آقا) ﴿ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ﴾ (الانفال:۴۰)

(۸۹) اَلْمُؤْمِنُ (امن دینے والا) ﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ ﴾ (الحشر:۲۳)

(۹۰) اَلنَّصِیْرُ (مدد کرنے والا) ﴿ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَلِیًّا وَّکَفٰی بِاللّٰهِ نَصِیْرًا ﴾ (النساء:۴۵)

(۹۱) اَلْهَادِیْ (ہدایت دینے والا) ﴿ وَکَفٰی بِرَبِّکَ هَادِیًا وَّنَصِیْرًا ﴾ (الفرقان:۳۱)

(۹۲) اَلْوَاحِدُ (ایک، اکیلا) ﴿ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾ (الرعد:۱۶)

(۹۳) اَلْوَارِثُ (حقیقی وارث ہونے والا) ﴿ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴾ (الحجر:۲۳)

(۹۴) اَلْوَاسِعُ (کشادہ اور وسیع) ﴿ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ

وَجْهُ اللهِ إِنَّ اللهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ (البقرة:١١٥)

(٩٥) اَلْوِتْرُ (ایک) [ان الله وتر يحب الوتر] (بخاری:٦٤١٠)

(٩٦) اَلْوَدُوْدُ (محبت کرنے والا) ﴿ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ . وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴾ (البروج:١٤)

(٩٧) اَلْوَكِيْلُ (کارساز) ﴿ فَزَادَهُمْ إِيْمَاناً وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴾ (آل عمران:١٧٣)

(٩٨) اَلْوَلِيُّ (دوست، مددگار) ﴿ فَاللهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ﴾ (الشوریٰ:٩)

(٩٩) اَلْوَهَّابُ (بہت زیادہ دینے والا) ﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ﴾ (آل عمران:٨)

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "اعلام الموقعین" (٣/١٤٩تا١٧١) میں قاعدہ "سد الذرائع" کے اثبات کیلئے ننانوے (٩٩) وجوہات بیان فرمائی ہیں۔ انہیں اس تعداد پر اقتصار واکتفاء حدیث میں وارد اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کی تعداد (٩٩) سے موافقت کی بناء پر فرمایا۔ ہم نے بھی اپنی ایک کتاب بنام "دراسة حديث [نضر الله امرا سمع مقالتي] رواية ودراية" میں حدیث [نضر الله امرا سمع مقالتي] کہ جو مختصراً ومطولاً بہت سے الفاظ سے مروی ہے، سے ننانوے (٩٩) فوائد مستنبط کیئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو ص:٢٠١ تا ٢١٠)

اللہ تعالیٰ کے بعض ناموں کا اطلاق غیر اللہ پر جائز ہے اور بعض کا نہیں ١

(٦) اللہ تعالیٰ کے کچھ اسماء ایسے ہیں جن کا غیر اللہ پر بھی اطلاق کیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (التوبة:١٢٨) میں رسول اللہ ﷺ کو "رؤوف" و "رحیم" کہا

گیا ہے۔ نیز قولہ تعالیٰ: ﴿ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴾ (الدھر:۲) میں انسان کو "سمیع" اور "بصیر" کہا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں واضح ہو کہ ان ناموں کا خالق کیلئے اطلاق ان معانی کے ساتھ ہے جو خالق کے لائق ہیں، اور مخلوق کیلئے اطلاق ان معانی کے ساتھ ہے جو مخلوق کے لائق ہیں۔ چنانچہ وہ معانی جو ان ناموں کا مدلول ہیں، ان میں خالق، مخلوق کے مشابہ نہیں، اور مخلوق، خالق کے مشابہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کچھ نام ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں اور کسی غیر اللہ پر ان کا اطلاق جائز نہیں، مثلاً: اللہ، الرحمن، الخالق، الباری، الرزاق، الصمد وغیرہ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر کے اندر آغاز سورۃ الفاتحہ میں "بسم اللہ الرحمن" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں کچھ نام ایسے ہیں جس کا (لفظی حد تک) غیر اللہ پر اطلاق جائز ہے، لیکن کچھ نام ایسے ہیں جو غیر اللہ کیلئے قطعی طور پر نہیں بولے جاسکتے، جیسے اسم مبارک اللہ، الرحمن، الخالق، اور الرزاق وغیرہ

۱۰۔ "لم يزل بجميع صفاته وأسمائه، تعالى أن تكون صفاته مخلوقة وأسمائه محدثة."

ترجمہ: "وہ اپنی تمام صفات اور ناموں کے ساتھ ہمیشہ سے ہے، وہ اس بات سے انتہائی بلند اور پاک ہے کہ اس کی کوئی صفت مخلوق ہو یا کوئی نام نیا ہو۔"

شرح

اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء وصفات ازلی وابدی ہیں

اللہ تعالیٰ جن صفات کے ساتھ متصف یا جن اسماء کے ساتھ موسوم ہے وہ سب کے سب ازلی وابدی ہیں، یعنی وہ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے، یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی ایسے نام کے ساتھ موسوم کیا جائے جس کے ساتھ پہلے موسوم نہیں تھا۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی دو قسمیں ہیں، صفاتِ ذاتیہ اور صفات فعلیہ۔

صفات ذاتیہ:

صفاتِ ذاتیہ سے مراد وہ صفات ہیں جو ازلاً وابداً اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ولازم ہیں ان صفات کا مشیت وارادہ سے کوئی تعلق نہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفتِ "الوجه" (چہرہ) "اليد" (ہاتھ) "الحياة" (زندہ ہونا) "العلم" (ہر چیز کا جاننا) "السمع" (سننا) "البصر" (دیکھنا) "العلو" (سب سے بلند ہونا)۔

صفات فعلیہ:

دوسری قسم صفاتِ فعلیہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ سے متعلق ہیں، جیسے صفت "الخلق" (پیدا کرنا) "الرزق" (روزی دینا) "الاستواء" (عرش پر مستوی ہونا) "النزول" (اترنا) "المجیئ" (آنا) وغیرہ

یہ تمام صفات باعتبارِ نوع قدیم ہیں، لیکن باعتبارِ آحاد، حادث ہیں۔ چنانچہ مثلاً: اللہ تعالیٰ

صفتِ خلق اور صفت رزق سے ازل سے متصف ہے، ایسا ہرگز ممکن نہیں کہ پہلے وہ ان صفات سے متصف نہ ہو، بعد میں ہو گیا ہو۔ (مقصد یہ ہے کہ جب کوئی مخلوق یا مرزوق نہیں تھا، اللہ تعالیٰ اس وقت بھی خالق اور رازق تھا، کیونکہ اس کی ہر صفت ازلی اور ابدی ہے۔ البتہ اس نے مخلوق کو پیدا کب کیا؟ روزی کب دی؟ جب اس نے چاہا اور ارادہ فرمایا۔)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا استواء علی العرش فعلی اعتبار سے آسمان وزمین کی خلق کے بعد حاصل ہوا۔ اسی طرح آسمانِ دنیا کی طرف نزول بھی آسمان وزمین کی خلق کے بعد حاصل ہوا۔ اسی طرح مجی یعنی آنا، جس کا آیتِ کریمہ: ﴿ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴾ میں ذکر ہے، قیامت کے دن اس وقت حاصل ہوگا جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے مابین فصل قضاء کیلئے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کا صفتِ "يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ" (یعنی جو ارادہ فرما لیتا ہے وہ کرتا ہے) سے متصف ہونا بھی باعتبارِ نوع قدیم ہے، البتہ جن افعال کا ارادہ فرما لیتا ہے وہ افعال آحاد ہیں جن کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جس وقت اللہ تعالیٰ ان کے ظہور کا ارادہ فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات کے ساتھ خالق ہے، اور اس کے ماسوا ہر چیز مخلوق ہے، لہٰذا اس کی صفات میں کوئی چیز مخلوق نہیں۔ اور اس کے جتنے بھی نام ہیں، ان کے نام رکھنے کی کوئی ابتداء نہیں ہے، اس کے تمام نام قدیم اور ازلی ہیں، اور کوئی نام محدَث (نیا) نہیں ہے۔

11. "كلم موسى بكلامه الذي هو صفة ذاته لا خلق من خلقه، وتجلى للجبل فصار دكا من جلاله وان القرآن كلام الله ليس بمخلوق فيبيد ولا صفة لمخلوق فينفد."

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا، اور یہ کلام اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں بلکہ صفتِ ذاتیہ ہے، اللہ تعالیٰ نے پہاڑ (کوہِ طور) پر اپنی تجلی ڈالی تو وہ اللہ تعالیٰ کے جلال سے ریزہ ریزہ ہوگیا، قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے کہ فنا کا شکار ہو جائے، نہ ہی کسی مخلوق کی صفت ہے کہ ختم ہو جائے۔"

شرح

اللہ تعالیٰ کیلئے صفتِ "الکلام" کا اثبات...

اللہ تعالیٰ ازلاً وابداً صفتِ کلام کے ساتھ متصف ہے، اس کے متکلم ہونے کی کوئی ابتداء نہیں، اور وہ بلا انتہاء صفتِ کلام سے متصف رہے گا، کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ کی نہ تو کوئی ابتداء ہے اور نہ ہی کوئی انتہاء، لہٰذا اس کی صفتِ کلام کی بھی نہ کوئی ابتداء ہوگی نہ کوئی انتہاء۔

صفتِ کلام، صفتِ ذاتیہ بھی ہے اور صفتِ فعلیہ بھی۔

ذاتیہ اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ کے اس صفت سے متصف ہونے کی کوئی ابتداء نہیں، اور فعلیہ اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت وارادہ سے جب چاہتا ہے کلام فرماتا ہے، اس کا کلام فرمانا اس کی مشیت سے متعلق ہے، جب چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے کلام فرماتا ہے، لہٰذا صفتِ کلام باعتبارِ نوع قدیم، اور باعتبارِ آحاد کلام حادث ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے ان کے دور میں کلام فرمایا تھا، ہمارے نبی ﷺ سے شبِ معراج کلام فرمایا تھا، وہ قیامت کے دن اہلِ جنت سے جبکہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے

کلام فرمائے گا۔ یہ سب آحادِ کلام کی مثالیں ہیں، جن میں سے کچھ تو واقع ہو چکی ہیں، اور کچھ آئندہ حاصل ہونگی، جب اللہ تعالیٰ ان کا حصول چاہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا کلام حروف اور آواز کے ساتھ ہے۔ اس کا کلام نہ تو مخلوق ہے اور نہ ہی کوئی ایسی صفت ہے جو قائم بالذات ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾ (النساء:۱۶۴) (اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا) پر غور کیجئے۔ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کا اثبات ہے اور یہ بات بھی ثابت ہو رہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا۔ قولہ تعالیٰ: "تکلیما" کلام فرمانے کی مزید تاکید ہے اور اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ سے صادر ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے کلام کی نہ تو کوئی ابتداء ہے نہ انتہاء، نہ ہی اللہ تعالیٰ کے کلام کیلئے کوئی حد یا حصار ہے۔ مخلوق کے کلام کرنے کا معاملہ اس سے برعکس ہے، مخلوق کے کلام کرنے کی ابتداء بھی ہے اور انتہاء بھی، لہذا مخلوق کا کلام اپنی ابتداء اور انتہاء کے اندر محصور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴾ (الکھف:۱۰۹)

ترجمہ: (کہہ دیجئے! کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں کو لکھنے کیلئے سمندر سیاہی بن جائے تو وہ بھی میرے رب کی باتوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا، گو ہم اس جیسا اور بھی اس کی مدد میں لے آئیں)

نیز فرمایا: ﴿ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ (لقمان:۲۷)

ترجمہ: (روئے زمین کے تمام درختوں کی اگر قلمیں ہو جائیں اور تمام سمندروں کی سیاہی ہو اور ان کے بعد سات سمندر اور ہوں تاہم اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے، بے شک اللہ تعالیٰ غالب

اور باحکمت ہے۔)

ان دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ کیلئے صفتِ کلام کا اثبات ہے اور یہ بھی ثابت اور واضح ہورہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر محصور ہے! کیونکہ زمین پر موجود بپھری موجوں اور پانی کی آتاہ گہرائیوں والے تمام سمندروں کو کئی گنا بڑھا کر، اللہ رب العزت کا کلام لکھنے کیلئے روشنائی میں تبدیل کردیا جائے اور لکھنے کیلئے زمین پر موجود تمام درختوں کی قلمیں گھڑلی جائیں، تو یہ امر طے شدہ ہے کہ لکھتے لکھتے تمام سمندر اور قلمیں ختم ہوجائیں گی، کیونکہ سمندر اور قلمیں بھی تو مخلوق ہیں اور مخلوق کیلئے بہرحال محصور ہونا بھی ہے اور فنا بھی۔ اللہ تعالیٰ کا کلام کیونکہ غیر مخلوق اور غیر محصور ہے، لہٰذا وہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، توراۃ وانجیل اور اسکے علاوہ ہر وہ کتاب جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی اللہ تعالیٰ کے کلام کا حصہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا کلام کیونکہ غیر مخلوق ہے لہٰذا اسے کبھی وہ فنا حاصل نہیں ہوگا جو تمام مخلوقات کا مقدر ہے۔ اور کلام کو فنا کیسے ہوسکتا ہے، وہ تو خالق کائنات کی صفت ہے، جس کی کوئی انتہاء نہیں، لہٰذا اس کے کلام کی بھی کوئی انتہاء یا نفاذ نہیں ہے۔ اس کے برعکس تمام مخلوقات فنا کا شکار ہونے والی ہیں، لہٰذا ان کا کلام بھی ان کے ساتھ فنا ہوجائے گا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان: ''اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر تجلی ڈالی تو وہ اللہ تعالیٰ کے جلال سے ریزہ ریزہ ہوگیا'' اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مذکور ہے:

﴿ وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ (الاعراف:۱۴۳)

ترجمہ: (اور جب موسیٰ ہمارے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمائی، تو عرض

کیا کہ اے میرے پروردگار! اپنا دیدار مجھ کو کرا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں۔ ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے، لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو وہ اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ پس جب ان کے رب نے اس پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش کر گر پڑے پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا! بے شک آپ کی ذات منزہ ہے میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے اس پر ایمان لانے والا ہوں)

اس آیتِ کریمہ سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے جبکہ وہ اس کی میقات و میعاد پر آئے، کلام فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کے شرف سے ہمکنار ہوئے تو انہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شوق پیدا ہو گیا جس کا انہوں نے سوال بھی کر دیا۔ مگر موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل نہ ہو سکا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اس بات کی متقاضی ہے کہ یہ دیدار اہلِ ایمان کو آخرت میں نصیب ہوگا، جو قیامت کے روز اہلِ جنت کیلئے سب سے بڑی نعمت قرار پائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت کا یہ بھی فیصلہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو لوگوں کی نگاہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار کی طاقت ہی نہیں رکھتی، جب ہی تو موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ﴿ لَنْ تَرَانِیْ ﴾ یعنی تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ (یعنی اس دنیا میں)

چنانچہ کوہِ طور اپنی سختی اور صلابت کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ایک تجلی نہ سہہ سکا اور ریزہ ریزہ ہو گیا۔ البتہ دار الآخرۃ میں اللہ تعالیٰ اپنے مؤمنین بندوں کو ایسی بصارت عطا فرمائے گا جس سے انہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار کی قدرت نصیب ہو جائے گی۔

دنیا میں کسی بھی شخص کو اللہ تعالیٰ کے دیدار کی قدرت حاصل نہ ہونے پر رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث بھی دلالت کر رہی ہے:

[تعلموا أنه لن يرى احد منكم ربه عز و جل حتى يموت] (مسلم : ۲۹۳۰)

ترجمہ: [اچھی طرح جان لو! تم میں سے کوئی شخص دنیا کی زندگی میں اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتا]

۱۲. " والایمان بالقدر خیره وشره حلوه ومره، وکل ذلک قد قدر الله ربنا، ومقادیر الامور بیده ومصدرها عن قضائه .علم کل شئ قبل کونه، فجری علی قدره لایکون من عباده قول ولاعمل الاوقد قضاه وسبق علمه به ﴿ألا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر﴾ (الملک:۱۴)

یضل من یشاء،فیخذله بعدله ، ویهدی من یشاء فیوفقه بفضله ،فکل میسر بتیسیره الی ماسبق من علمه وقدره،من شقی او سعید .

تعالیٰ ان یکون فی ملکه مالایرید، او یکون لاحد عنه غنی، خالقا لکل شئ، ألا ھورب العباد ورب اعمالهم ،والمقدر لحرکاتهم وآجالهم. "

ترجمہ:اچھی اور بری،میٹھی اور کڑوی ہر قسم کی تقدیر پر ایمان لانا (فرض ہے) ۔ان تمام چیزوں کو ہمارے پروردگار اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا،تمام امور کی مقادیر اس کے ہاتھ میں ہے،جن کا صادر ہونا اس کے فیصلے سے ہے،وہ ہر شئی کو وجود میں آنے سے پہلے ہی جانتا ہوتا ہے،اور وہ شئی جب وجود میں آتی ہے تو اس کی تقدیر کے مطابق ہی آتی ہے،بندوں کا ہر قول اور فعل اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر اور اس کے علمِ سابق کے مطابق ہوتا ہے ﴿کیا وہ ذات علم نہیں رکھتی جس نے پیدا کیا؟وہ تو باریک بین اور باخبر ہے﴾

جسے چاہتا ہے گمراہ کرکے ذلتوں کی پستیوں میں دھکیل دیتا ہے، جو کہ عینِ عدل ہے،اور جسے چاہتا ہے توفیقِ ہدایت سے مشرف فرمادیتا ہے، جو عینِ فضل ہے۔ ہر بدبخت یا نیک بخت،اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق اور تقدیر کے مطابق اپنی اپنی راہ پر بآسانی چلایا جارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بلند ہے کہ اسکی بادشاہت میں کوئی چیز اسکے ارادے کے بغیر یا برخلاف ہو،یا کوئی مخلوق اس سے مستغنی ہو،ہر شئی کا صرف وہی خالق ہے،تمام بندوں اور

انکے تمام اعمال کا وہی رب ہے، اور انکی تمام حرکات وآجال کی تقدیر بنانے والا بھی وہی ہے۔

شرح[1]

ایمان بالقدر اور اس کے کتاب وسنت سے دلائل کا بیان

(۱) تقدیر پر ایمان لانا، ایمان کے ان چھ اصولوں میں شامل ہے جن کا حدیثِ جبریل میں ذکر ہے۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے ایمان کی بابت سوال کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: [أن تؤمن باللہ، وملائکتہ، وکتبہ، ورسلہ، والیوم الآخر، والقدر خیرہ وشرہ.] (رواہ مسلم: ۵۳)

ترجمہ: [ایمان یہ ہے کہ تو اللہ، اس کے فرشتوں، اسکی کتابوں اور اسکے رسولوں کیساتھ ایمان لے آئے، اور یوم آخرت اور تقدیر کیساتھ، چاہے بھلی ہو یا بُری ایمان لے آئے۔]

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، صحیح مسلم کا سب سے پہلا عنوان کتاب الایمان ہے، اور یہ اس کی سب سے پہلی ذکر کردہ حدیث ہے۔ اس حدیث کی سند میں یہ بات وارد ہوئی ہے کہ اس حدیث کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما نے اپنے والد سے، مسئلۂ ایمان بالقدر کیلئے بطور استدلال روایت فرمایا ہے۔ تفصیل واقعہ اس طرح ہے کہ یحیی بن یعمر اور حمید بن عبدالرحمن الحمیری نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے عراق میں موجود کچھ لوگوں کا ذکر کیا جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں اور تمام امور کو "اُنُف" قرار دیتے ہیں (یعنی وہ بغیر کسی مقدر کے خود بخود ظہور پذیر ہور ہے ہیں) تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما نے ان سے فرمایا: جب تم ان لوگوں سے ملو تو ان سے یہ بات کہہ دینا کہ میں ان سے اور وہ مجھ سے بری اور لاتعلق ہیں۔ اس ذات کی قسم کہ جس کی عبداللہ بن عمر ہمیشہ قسم کھاتا ہے: اگر ان میں سے کسی شخص کے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور وہ اسے اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کر دے، تو اللہ تعالی اسے اس وقت تک قبول نہیں فرمائے گا جب تک تقدیر پر صحیح ایمان نہ لے آئے۔ پھر اس حدیث کو اپنے والدِ گرامی سے روایت کیا۔

واضح ہو کہ حدیثِ جبریل بروایت عمر بن الخطاب ؓ صرف صحیح مسلم میں ہے، جبکہ یہی حدیث بروایت ابوھریرۃ ؓ صحیح بخاری و مسلم دونوں میں ہے۔

(۲) قرآنِ حکیم سے بہت سی آیات، اور رسول اللہ ﷺ کی متعدد احادیث تقدیر کے اثبات پر دال ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴾ (القمر:۴۹)

ترجمہ: (بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک مقررہ اندازے پر پیدا کیا ہے)

﴿ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ﴾ (التوبۃ:۵۱)

ترجمہ: (آپ کہہ دیجئے! ہمیں ہرگز کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی مگر وہ جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے)

﴿ مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴾ (الحدید:۲۲)

ترجمہ: (نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ (خاص) تمہاری جانوں میں، مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے)

جہاں تک حدیث کا تعلق ہے تو امام بخاری اور امام مسلم (رحمھما اللہ) دونوں نے اپنی اپنی کتاب میں تقدیر کا مستقل باب قائم کیا ہے۔

چنانچہ صحیح مسلم (۲۶۶۴) میں ابوھریرۃ ؓ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[المؤمن القوی خیر واحب الی اللہ من المؤمن الضعیف وفی کل خیر احرص علی ماینفعک واستعن باللہ و لاتعجز وان اصابک شئ فلا تقل : لو أنی فعلت کذا کان کذا و کذا ،ولکن قل: قدر اللہ وماشاء فعل ،فان لو تفتح عمل الشیطان]

ترجمہ:[طاقت ور مؤمن، اللہ تعالیٰ کو کمزور مؤمن سے زیادہ بھلا اور محبوب ہے، ویسے دونوں میں بھلائی اور بہتری ہے۔ تم اپنے لئے ہر نفع بخش چیز کی حرص اور تمنا رکھو اور اس کے حصول کیلئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو، اور عاجز نہ بنو۔ اور اگر کوئی تکلیف پہنچے تو یوں مت کہو کہ اگر میں اس طرح کر لیتا تو اس طرح ہو جاتا۔ بلکہ یوں کہو: اللہ تعالیٰ کا یہی منظور ومقدور تھا، اور جو کچھ اس نے چاہا وہی کیا۔ "لو" یعنی اگر اگر کہنا [شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔]

امام مسلم نے اپنی صحیح میں (۲۶۵۵) اپنی سند سے طاؤس (تابعی) کے حوالے سے بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کے بہت سے صحابہ کو یہ کہتے ہوئے پایا: ہر چیز تقدیر کے ساتھ ہے۔ مزید فرماتے ہیں: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا: وہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كل شيء بقدر حتى العجز والكيس] یعنی ہر چیز حتی کہ عجز اور کیس بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے ساتھ ہے۔

عجز اور کیس آپس میں دو متضاد لفظ ہیں، کیس سے مراد عقلمندی، ہوشیاری اور محنت وغیرہ، اور عجز سے مراد عاجزی، سستی اور کاہلی ہے۔ یہ سب تقدیر کے ساتھ مربوط ومنسلک ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: عاجز کا عجز وضعف اور کیس یعنی دانا کی دانائی اور عقلمندی سب تقدیر میں لکھی ہوئی ہے (۱۶/۲۰۵)

رسول اللہ ﷺ کی ایک اور حدیث ہے:

[ما منكم من أحد وقد كتب مقعده من الجنة ومقعده من النار فقالوا: يارسول الله ﷺ افلا نتكل؟ فقال: اعملوا فكل ميسر. ثم قرأ: ﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ. وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ. فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ. وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ. وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ. فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ﴾ (الليل: ۵تا۱۰]

ترجمہ:[تم میں سے ہر شخص کا جنت یا جہنم کا ٹھکانہ لکھا جا چکا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول

اللہ ﷺ کیا ہم اپنے لکھے ہوئے پر بھروسہ نہ کرلیں؟ (اور عمل چھوڑ دیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمل کرو، کیونکہ انسان کا جو ٹھکانہ لکھا گیا ہے اس کیلئے اسکے عمل میں آسانی پیدا کردی گئی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے مندرجہ ذیل آیت تلاوت فرمائی: ترجمہ: ’’جس نے دیا (اللہ کی راہ میں) اور ڈرا (اپنے رب سے)۔ اور نیک بات کی تصدیق کرتا رہے گا۔ تو ہم بھی اس کو آسان راستے کی سہولت دینگے لیکن جس نے بخیلی کی اور بے پرواہی برتی۔ اور نیک بات کی تکذیب کی۔ تو ہم بھی اس کی تنگی و مشکل کا سامان میسر کردینگے‘‘] (صحیح بخاری:۴۹۴۵، صحیح مسلم:۲۶۴۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بندوں کا نیک اعمال کرنا تقدیر میں لکھا جاچکا ہے، اور یہ بھی کے وہ نیک اعمال حصولِ سعادت کا سبب ہیں اور سعادت کا حصول بھی تقدیر میں لکھا جاچکا ہے۔ اس طرح بعض بندوں کا بُرے اعمال کا ارتکاب کرنا بھی تقدیر میں لکھا جاچکا ہے، اور وہ بُرے اعمال، حصولِ شقاوت (بدبختی) کا سبب ہیں، نیز شقاوت کا حصول بھی تقدیر میں لکھا جاچکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسباب اور انکے مسببات، تمام چیزیں مقدر فرمادی ہیں۔ لہٰذا کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے فیصلہ، تقدیر، خلق اور ایجاد سے باہر نہیں ہے۔

وعن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنهما قال كنت خلف رسول اللہ ﷺ يوما فقال: [ياغلام ! إني اعلمك كلمات :احفظ اللہ يحفظك ،احفظ اللہ تجده تجاهك، اذا سألت فاسأل اللہ و اذا استعنت فاستعن باللہ ، و اعلم ان الامة لو اجتمعت على ان ينفعوك بشئ لم ينفعوك الا بشئ قد كتبه اللہ لك و لو اجتمعوا على ان يضروك بشئ لم يضروك الا بشئ قد كتبه اللہ عليك، رفعت الاقلام و جفت الصحف]

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھا، آپ نے فرمایا: [اے لڑکے! میں تجھے چند اہم امور کی تعلیم دیتا ہوں، تم

اللہ تعالیٰ کے حدود وفرائض کی حفاظت کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے گا۔تم اللہ تعالیٰ کی حدود وفرائض کی حفاظت کرو، ہمیشہ اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔جب بھی مانگو صرف اللہ تعالیٰ سے مانگو، اور جب بھی مدد طلب کرو صرف اللہ تعالیٰ سے کرو، اور اچھی طرح جان لو! اگر پوری امت تمہیں کوئی نفع پہنچانا چاہے تو اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے نفع کے علاوہ کوئی نفع نہیں پہنچ سکتی۔اور اگر پوری امت تمہیں نقصان پہنچانے کے درپے ہوجائے تو اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے نقصان کے علاوہ کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتی۔(تقدیر لکھنے والی) قلمیں اٹھالی گئی ہیں اور صحیفے (جن پر تقدیر لکھی گئی ہے) خشک ہوچکے ہیں]

اس حدیث کی حافظ ابن رجب نے اپنی کتاب "جامع العلوم الحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم" (۱/۴۵۹) میں بڑی نفیس شرح فرمائی ہے۔

الاربعون النوویۃ کی یہ حدیث نمبر۱۹ ہے۔

مراتب قدر: علم، کتابت، ارادہ اور خلق ایجاد

(۳) واضح ہو کہ تقدیر پر ایمان لانے کے چار مراتب ہیں، ان چاروں مراتب کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔

☆ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہونے والا ہے، سب کا اللہ تعالیٰ کو ازلی علم حاصل ہے، اور یہ بات ناممکن ہے کہ کسی چیز کا اللہ تعالیٰ کو ازلی علم حاصل نہ ہو بلکہ بعد میں علم ہوا ہو۔ فقرہ نمبر (۷) میں اللہ تعالیٰ کے علم کی بحث کے ضمن میں اس مرتبہ کے تعلق سے کچھ وضاحتیں تحریر کی جاچکی ہیں۔

☆ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے۔جس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:[کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق اللہ السموات والارض

بخمسين الف سنة قال :وعرشه على الماء] (رواہ مسلم(۲۶۵۳،عن ابن عمر)

ترجمہ:[اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل تمام خلائق کی تقدیر لکھ دیں۔فرمایا:اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔]

☆ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ ومشیت پر ایمان لایا جائے۔یعنی اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہو رہا ہے،اور چونکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ملک ہے لہذا اللہ تعالیٰ کی ملک میں وہی کچھ ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ ارادہ فرمالے۔پس جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی کچھ ہوگا،اور جو کچھ نہیں چاہے گا وہ ہرگز نہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴾ (یس:۸۲)

ترجمہ:"وہ جب کبھی کسی چیز کا اروادہ کرتا ہے اسے اتنا فرمادینا(کافی)ہے کہ ہو جا،وہ اسی وقت ہو جاتا ہے"

نیز فرمایا: ﴿ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴾ (التکویر:۲۹)

ترجمہ:"اور تم بغیر پروردگار عالم کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے"

☆ چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہے یا ہونے والا ہے سب اللہ تعالیٰ کی خلق وایجاد ہے،جو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے اس علمِ سابق (ازلی علم) کے مطابق عمل میں آتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل لوحِ محفوظ میں لکھ دیا تھا،لہذا ہر ہر ذات،اور ہر ہر فعل صرف اللہ تعالیٰ کی خلق وایجاد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ (الزمر:۶۲)

ترجمہ:"اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے"

نیز فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ (الصافات:۹۶)

ترجمہ:"حالانکہ تمہیں اور تمہارے اعمال کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے"

ایمان بالقدر کا تعلق ایمان بالغیب سے ہے...

(۴) اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں جو فیصلے فرما دیئے اور انہیں لوحِ محفوظ میں تحریر فرما دیا وہ سب کا سب علمِ غیب ہے، جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ البتہ مخلوق کو تقدیر کے فیصلوں کا علم درج ذیل دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے ساتھ ہو سکتا ہے:

(۱) کسی چیز یا کام کے رونما ہونے سے۔ چنانچہ جب بھی کوئی چیز رونما ہوگی معلوم ہو جائے گا کہ یہی امرِ مقدور ہے، کیونکہ اگر یہ امرِ مقدور نہ ہوتی تو ہرگز رونما نہ ہوتی، کیونکہ جو اللہ چاہتا ہے وہی کچھ ہوتا ہے، اور جس چیز کا ہونا اللہ تعالیٰ نہ چاہے وہ ہرگز نہیں ہو سکتی۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مستقبل میں رونما ہونے والے کسی واقعہ یا امر کی خبر دے دیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے ظہورِ دجال، خروجِ یاجوج وماجوج اور نزولِ عیسیٰ بن مریم علیہ الصلاۃ والسلام کی خبر دی۔ اس کے علاوہ اور بھی آپ ﷺ نے بہت سے امور کی خبر دی جو آخری دور میں ظاہر ہوں گے۔ ان تمام امور وواقعات کی خبر چونکہ الصادق المصدوق محمد رسول اللہ ﷺ نے دی، لہٰذا ان کا حاصل ہونا لازمی ہے۔ اور چونکہ ان تمام امور کا رونما ہونا ایک طے شدہ حقیقت ہے لہٰذا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق اور قضاء وقدر کے عین مطابق ہے۔ (لہٰذا ہمارا یہ ایمان ہے کہ قربِ قیامت رونما ہونے والے یہ تمام واقعات برحق ہیں کیونکہ یہ سب رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے ثابت ہیں۔ نیز یہ کہ ان تمام امور وواقعات کا اللہ تعالیٰ نے روزِ اول سے فیصلہ فرما کر تقدیر میں لکھ دیا تھا)

ہم مزید ایک مثال سے اس مسئلہ کو واضح کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے واقعہ کی خبر دی جس کا ظہور آپ ﷺ کے زمانے کے بالکل قریب تھا، چنانچہ ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ کبھی لوگوں کو دیکھتے اور کبھی حسن کو، پھر فرمایا:

[ابني هذا سيد ولعل الله يصلح به بين فئتين من المسلمين] (بخاری: ۳۷۴۶)
یعنی میرا یہ بیٹا سردار ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے بیچ صلح کرائے گا۔
رسول اللہ ﷺ کی یہ خبر ۴۱ھ میں حرف بحرف پوری ہوئی، چنانچہ اس سال مسلمانوں کی جمعیت متحد اور مجتمع ہوگئی، حتی کہ اس سال کو "عام الجماعة" کے نام سے موسوم کردیا گیا۔
صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ ﷺ کے اس فرمان سے یہ نکتہ اخذ کرلیا کہ حسن رضی اللہ عنہ بچپن میں فوت نہیں ہونگے بلکہ اتنی دیر تک ضرور زندہ رہینگے کہ صلح کے تعلق سے آپ ﷺ نے جو پیش گوئی فرمائی وہ پوری ہوجائے، اور کیونکہ یہ سب کچھ رونما ہوا لہذا ایسا امر مقدور تھا۔ جس کا صحابہ کرام کو قبل از وقوع (بوجہ فرمانِ رسول اللہ ﷺ) علم ہوگیا۔

اس عالمِ ہستی میں جو بھی خیر وشر ہے سب اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے ہے

(۵) قولہ: "والايمان بالقدر خيره وشره حلوه ومره، وكل ذلك قد قدر الله ربنا" "یعنی اچھی اور بری، میٹھی اور کڑوی ہر تقدیر پر ایمان لانا (فرض) ہے، اور یہ کہ ان تمام چیزوں کو ہمارے پروردگار اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا ہے"
تقدیر کے حوالے سے یہ مسئلہ حدیثِ جبریل میں مذکور ہے [وان تؤمن بالقدر خيره وشره] یعنی: [تم تقدیر پر ایمان لاؤ خواہ وہ خیر ہو یا شر۔]
ہر چیز کا خالق اور مقدِّر، اللہ رب العزت ہی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
﴿ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ (الزمر: ۶۲) ترجمہ: "اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے"
تو اس عالمِ ہستی میں جو بھی خیر وشر ہے، سب اللہ تعالیٰ کے قضاء وقدر، اور مشیت وارادہ سے ہے۔
(یہاں ایک اشکال وارد کیا جاسکتا ہے کہ) جناب علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی ایک طویل دعا مذکور ہے، جس میں یہ الفاظ بھی ہیں: [والخير كله في يديك والشر ليس إليك] (صحیح مسلم: ۷۷۱) یعنی: [اے اللہ! تمام کی تمام خیر تیرے ہی ہاتھ میں

ہے، جبکہ شر تیری طرف نہیں ہے] (تو حدیث بظاہر حدیث جبریل کے مضمون کے متعارض ہے، جس میں خیر و شر کا اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہونے کا ذکر ہے)

(ہم عرض کرتے ہیں کہ) حدیث علی رضی اللہ عنہ میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان: [شر تیری طرف نہیں ہے] اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شر اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے واقع نہیں ہوتا، اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شر کو محض برائے شر پیدا نہیں فرمایا کہ وہ کسی حکمت سے خالی ہو، یا اس میں کسی وجہ سے کسی قسم کا کوئی فائدہ مرتب نہ ہوتا ہو۔

دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شر کو علی الوجہ الاستقلال اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کیا جائے، بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات ومقدرات کے عموم کے ضمن میں شامل تصور کیا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ یعنی اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے (تو اس کے عموم میں خیر بھی شامل ہے اور شر بھی)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴾ (القمر:۴۹)

ترجمہ: ''ہم نے ہر شئی ایک معین مقدار سے پیدا فرمائی'' (یہاں بھی (ہر شئی) کے عموم میں خیر وشر دونوں کو داخل تصور کیا جائے گا)

مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ادب کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف شر کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں جنوں کی گفتگو ذکر فرمائی، وہ گفتگو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ادب کی بہترین مثال ہے، چنانچہ انہوں نے خیر کی نسبت بصیغہ معروف اللہ تعالیٰ کی طرف کی لیکن شر کا ذکر بصیغہ مجہول کیا۔ ملاحظہ ہو:

﴿ وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴾ (الجن:۱۰)

ترجمہ: ''ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے ساتھ بھلائی کا ہے''

لفظِ ارادہ معنیٰ کونی وقدری کے ساتھ ساتھ معنیٰ دینی وشرعی دونوں کیلئے مستعمل ہے

(۶) تقدیر کے چار مراتب، جن کا گزشتہ صفحات میں ذکر ہوا، میں ایک مرتبہ یہ تھا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ سے ہے۔ مشیت وارادہ میں فرق یہ ہے کہ لفظِ مشیت قرآن وحدیث میں صرف معنیٰ کونی وقدری کیلئے وارد ہوا ہے، جبکہ لفظِ ارادہ معنیٰ کونی وقدری کے ساتھ ساتھ معنیٰ دینی وشرعی دونوں کیلئے مستعمل ہے۔

چنانچہ ارادہ کے معنیٰ کونی وقدری کیلئے استعمال ہونے کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَلَا يَنفَعُكُمْ نُصْحِىٓ إِنْ أَرَدتُّ أَنْ أَنصَحَ لَكُمْ إِن كَانَ ٱللَّهُ يُرِيدُ أَن يُغْوِيَكُمْ ﴾

ترجمہ: "تمہیں میری خیرخواہی کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی، گو میں کتنی ہی تمہاری خیرخواہی کیوں نہ چاہوں، اگر اللہ کا ارادہ تمہیں گمراہ کرنے کا ہو" (ھود:۳۴)

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿ فَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يَهْدِيَهُۥ يَشْرَحْ صَدْرَهُۥ لِلْإِسْلَٰمِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُۥ يَجْعَلْ صَدْرَهُۥ ضَيِّقًا حَرَجًا ﴾ (الانعام:۱۲۵)

ترجمہ: "سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنے کا ارادہ فرمالے اس کے سینہ کو اسلام کیلئے کشادہ کردیتا ہے اور جس کو بے راہ رکھنے کا ارادہ فرمالے اس کے سینہ کو بہت تنگ کردیتا ہے"

(ان آیات میں اغواء وتضلیل کا ارادہ، ارادۂ کونی وقدری ہے)

لفظِ ارادہ کے دینی وشرعی معنیٰ میں وارد ہونے کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ يُرِيدُ ٱللَّهُ بِكُمُ ٱلْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ ٱلْعُسْرَ ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے، سختی کا نہیں"

﴿ مَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُۥ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴾ (المائدۃ:۶)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ اس کا ارادہ تمہیں پاک کرنے کا ہے اور تمہیں اپنی بھرپور نعمت دینے کا ہے، تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو''

ارادۂ کونی وقدری اور ارادۂ دینی وشرعی کے درمیان فرق یہ ہے کہ ارادۂ کونیہ عام ہے اور ہر قسم کے امر کیلئے وارد ہوتا ہے، خواہ وہ امر اللہ تعالیٰ کی رضاء اور محبت کو موجب ہو یا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور ناپسندیدگی کو موجب ہو، جبکہ ارادۂ شرعیہ صرف اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پسندیدہ امور کیلئے مختص ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ ارادۂ کونیہ کا واقع اور رونما ہونا ضروری ہے، جبکہ ارادۂ شرعیہ اس شخص کے حق میں حاصل ہوگا جسے اللہ تعالیٰ کی توفیق میسر ہو، اور اس شخص کو حاصل نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے محروم ہو۔

کچھ الفاظ ایسے ہیں جو کونی اور شرعی دونوں معنی دیتے ہیں، مثلاً: القضاء، التحریم، الاذن، الامر، الکلمات وغیرہ۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی مایۂ ناز تالیف ''شفاء العلیل'' کے (۲۹) ویں باب میں ان الفاظ کیلئے قرآن وحدیث سے بہت سی مثالیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے جن امور کے فیصلے فرمالئے اور انہیں لوح محفوظ میں لکھ دیا وہ بلا تغیر وتبدل رونما ہوکر رہیں گے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴾ (الحدید:۲۲)

ترجمہ: ''نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ (خاص) تمہاری جانوں میں، مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے''